قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً (رواہ البخاری)

سلسلہ نمبر ۴۰ بار اوّل ۳۰۰۰

وعظ

نفی الحرج

(دین میں تنگی نہیں)

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ العزیز

عنوانات وحواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

ناشر: شعبہ نشر و اشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون پرانی انار کلی: ۷۳۵۳۷۲۸
کامران بلاک: ۵۴۱۴۳۸۶ — ۴۳۸۰۶۰
جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ اکتوبر ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذباللہ من شرور انفسنا و من سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم. اما بعد فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم. ھواجتبکم وماجعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم . ھو سمکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونوا شھداء علی الناس فاقیموا الصلوٰۃ وآتوالزکوٰۃ واعتصموا باللہ ھو مولکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر. (پارہ۱۷ سوۃ الحج آیت نمبر۷۸)

ترجمہ: اس نے تم کو مخصوص فرمایا اور اس نے تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم ؑ کی ملت پر قائم رہو اور اس اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے پہلے بھی اور بعد کو بھی تاکہ تمہارے رسول ﷺ گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو وہ تمہارا کارساز ہے، سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مدد گار ہے)۔

یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں سے صرف جز اول کا بیان کرنا مقصود ہے اور اس کا تعلق جمعہ کے مضمون سے ہے چنانچہ عنقریب معلوم ہوجائے گا اور یہی وجہ ہوئی اس کے اختیار کرنے کی کیونکہ کوئی نیا مضمون اس وقت ذہن

میں نہیں آیا دو وجہ سے ایک تو اس لیے کہ کوئی مقام[1] نہیں بدلا۔ نیز زمانہ بھی دوسرے وعظ کا پہلے کے قریب ہے تو زمان ومکان دونوں متحد ہیں اور ایسے موقع پر مجمع بھی اکثر ایک ہی ہوتا ہے تو سامعین بھی متحد ہیں اور اس خاص موقعہ کے اعتبار سے سامعین کے مناسب حال جو مضمون تھا وہ پہلے بیان ہو چکا اب کسی دوسرے مضمون کی ضرورت ذہن میں نہیں آئی لہذا اسی گذشتہ مضمون کے متعلق ایک مضمون کو بیان کرتا ہوں اور میں نے بانیٔ جلسہ سے عرض کیا تھا کہ ایک ہی جگہ دو بیان سے کیا فائدہ ہوگا مگر کوئی فائدہ بتلایا نہیں گیا میں نے یہ بھی پوچھا کہ آخر کیا بیان کروں تو یہ کہا گیا کہ اسی مضمون کے متعلق بیان کر دیا جاوے جو جمعہ کو بیان کیا گیا تھا پھر اس کی بھی تعیین نہ بتلائی گئی مگر خود ہی اس کے مناسب مضمون میرے ذہن میں آگیا۔ اور ہر چند کہ ارتباط مضمون کے لحاظ سے مناسب یہ تھا کہ اسی آیت کی تلاوت اس وقت بھی کی جاتی جو جمعہ کو پڑھی گئی تھی اور اس میں سے یہ مضمون نکل بھی سکتا تھا جو آج بیان ہوگا۔ مگر اس میں استنباط[2] کرنا پڑتا اور استنباط اس طور[3] سے ہوتا کہ اس آیت کے اخیر میں ہے۔ ویعفوعن کثیر (اور بہت در گذر کر دیتے ہیں) اور عفو اثر ہے رحمت کا اور سہولت بھی رحمت ہی کا اثر ہے تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ سہولت کی رعایت کرتے ہیں اور کسی خاص جزو دین کے ساتھ خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں تو معلوم ہوا کہ دین کی ہر بات میں سہولت مرعی[4] ہے تو استنباط اس طرح ہو سکتا مگر اس آیت میں استنباط کی ضرورت تھی اور یہاں صریح[5] ہے پھر چونکہ قرآن سب ایک ہی ہے

---

(1) بیان کی جگہ نہیں بدلی

(2) بتکلف اس آیت سے اس کو نکالنا پڑتا

(3) طریقے

(4) دین کی ہر بات میں سہولت کی رعایت کی گئی ہے

(5) صاف ظاہر ہے

اس لیے اس آیت کو بھی یہی سمجھا جاوے گا کہ وہی ہے اس لیے تلاوت کے لیے اس آیت کو ترجیح دی۔

مضمون کا حاصل یہ ہے اور اس سے تعلق بھی معلوم ہو جائے گا دونوں مضمونوں میں کہ جمعہ کے روز میں نے بیان کیا تھا کہ جو کچھ مصیبت آتی ہے ہمارے اعمال کی خرابی سے آتی ہے اور اس کا علاج اعمال کی درستی ہے یا یوں کہیئے کہ ہمارے اوپر یہ مصائب دینی سُستی کی وجہ سے ہیں پس دین کو درست کیا جائے۔

دینداری اختیار کرنے پر عقلی اشکالات

اس پر ایک اشکال بعض لوگوں کے دل میں وارد ہوا کرتا ہے وہ یہ کہ مرض کا سبب اور اس کا علاج دونوں معلوم ہو گئے مگر اتنی بات رہ گئی کہ تدبیر کبھی آسان ہوتی ہے کبھی دشوار "[1] تو جو تدبیر بتلائی گئی ہے اس میں قابل غور یہ بات ہے کہ وہ آسان ہے یا دشوار ہم تو دیکھتے ہیں کہ سخت دشوار ہے۔ پس دوا تو بتلائی مگر ایسی جو امریکہ سے ملے گی اس تجویز کی تو وہی مثل ہو گئی کہ

ع: تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود

(جب تک تریاق عراق سے لایا جائے سانپ کا کاٹا ہوا مر جائے)

دین کی اب بلاشبہ ایسی حالت ہو گئی کہ بالکل تباہ ہو رہا ہے مگر ساتھ ہی دیندار بننا بھی سخت دشوار ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اس کا مشاہدہ بھی ہو رہا ہے چنانچہ دیندار کو سخت دقتیں پیش آتی ہیں۔

دیندار کے لیے مالی پریشانیاں

مال میں تو یہ کہ سود حرام ہے قمار (یعنی جوا) حرام ہے رشوت حرام ہے۔

---

(۱) مشکل

یہاں تک تو زیادہ وحشت نہیں ہوتی کیونکہ بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم سود بھی نہیں لیتے رشوت کا مال بھی نہیں کھاتے تو ان چیزوں سے اپنے دین کو بہت لوگ محفوظ سمجھتے ہیں لیکن ان میں وسعت[1] اتنی ہے کہ بہت دور تک ان کا اثر پہنچتا ہے اکثر لوگ سود صرف اس کو سمجھتے ہیں کہ روپیہ دے کر سوا روپیہ لے لیں، رشوت اس کو سمجھتے ہیں کہ ظلم کر کے کام کے عوض میں لیں۔ قمار[2] اس کو سمجھتے ہیں کہ چت پٹ ہو جائے۔ مگر حقیقت میں یہ ابواب[3] بہت وسیع ہیں پس جو لوگ ناواقف ہیں ان سے یہ تو کہا ہی جائے گا کہ واقفیت پیدا کرلو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ ہر معاملہ فاسدہ[4] ربوا ہے علیٰ ہذا رشوت نام ہے ہر غیر متقوم[5] چیز پر عوض لینے کا اور یہ بات جلدی سمجھ میں نہیں آسکتی کیونکہ یہ تو ابواب فقہ کے متعلق ہے مگر میں ایک مختصر سا رسالہ بتلاتا ہوں جس میں رشوت کے متعلق اچھی تقریر آپ کو معلوم ہوگی اور اس رسالہ کا نام "ازالة الغشوة" جو تحذیر الاخوان[6] کا ایک جز ہے۔ یہ ایک رسالہ سود کے متعلق ہے علیٰ ہذا قمار میں بھی بڑی وسعت ہے تو جان کا بیمہ وغیرہ یہ سب قمار میں داخل ہیں تو آمدنی کی اکثر صورتیں آج کل سود یا رشوت یا قمار میں داخل ہیں تو جو دیندار بننا چاہے اس کو ہر جگہ اور ہر وقت رکاوٹ پیش آتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اپنے ورثہ کے لیے کچھ روپیہ جمع کرنا چاہا کہ دس دس روپیہ سالانہ یا ماہوار کسی کمپنی میں داخل کرتا رہے تاکہ ورثہ کو دو ہزار روپے اس کے بعد مل جائیں اتفاق سے ایک مولوی صاحب سے جو پوچھا تو انہوں نے ناجائز کہدیا یا دوسری صورت نکالی کہ

---

(۱) گنجائش (۲) جوا
(۳) حقیقت میں ان کی بہت سی قسمیں ہیں (۴) قواعد شرعیہ کے خلاف کیا ہوا معاملہ سود ہے
(۵) بے قیمت چیز کے بدل لینے کا نام رشوت ہے (۶) نام کتاب

پرانسری[1] نوٹ خریدے تھے ایک دوسرے مولوی صاحب نے اس کو بھی ناجائز بتلادیا گویا مولویوں نے عہد کرلیا ہے کہ ہر ایک بات کو ناجائز ہی کہو اسی سے لوگ متوحش[2] ہیں علیٰ ہذا اور ابواب[3] آمدنی کے کہ بکثرت حرام ہیں یہ تو مال میں دشواریاں تھیں۔

دیندار کے لیے جاہی پریشانیاں

اب جاہ[4] کی کیفیت سنیے کسی مولوی صاحب کی زبانی سن لیا تھا کہ من تشبہ بقوم فھو منھم (جس نے کسی قوم کا تشبہ اختیار کیا وہ اسی میں شمار ہوگا) اس پر کسی نے عمل بھی کرلیا اور کوٹ پتلون پہننا چھوڑ دیا مگر اب حالت یہ ہے کہ کوئی عزت نہیں کرتا نہ پلیٹ فارم پر نہ کہیں اب افسوس ہوتا ہے کہ اچھی دینداری اختیار کی کہ عزت وجاہ ہی جاتی رہی سقوں[5] جولاہو تک کو اس شخص کے مقابلہ کی جرت ہوگئی یہ جاہ پر اثر پڑا علی ہذا[6] ہر امر[7] میں دیندار کو دقت پیش آتی ہے۔

دیندار کے لیے طبعی پریشانیاں

اور ایک یہ اثر ہوا کہ دینداری اختیار کرنے سے پہلے تو سارے جاڑے[8] تندرست رہتے تھے اب جو صبح کے وقت اٹھے اور وضو کرنا پڑا تو ساری سردی چھینکیں ہی آتی رہتی ہیں، ایک مولوی صاحب ہمارے دوست لات پور میں تھے ایک رئیس کے یہاں لڑکوں کو پڑھاتے تھے اور نماز بھی پڑھایا کرتے اتفاق سے

---

(۱) پرائز بانڈ (۲) لوگوں کو وحشت ہوتی ہے
(۳) اسی پر آمدنی کی دوسری اقسام کو قیاس کرلیا جائے تو آمدنی کی اکثر اقسام حرام ہوں گی
(۴) اقتدار یعنی مرتبہ (۵) ماشکی
(۶) اسی طرح (۷) کام
(۸) ساری سردی

ان لڑکوں کو زکام ہو گیا تو ان لڑکوں کی ماں مولوی صاحب کو کوسا کرتی تھی کہ اچھی نماز پڑھوائی کہ بچے بیمار ہو گئے اسی طرح روزہ ہے کہ بعض موسموں میں نہایت سخت ہوتا ہے کہ بجز[1] پکے دین دار شخص کے ہر شخص رکھ نہیں سکتا اگر ایسا روزہ دوسری قوموں میں ہوتا تو ضرور وہ اس کو دوسرے موسم میں بدل دیتے چنانچہ ایک مسلمان رئیس کسی بڑے انگریز حاکم سے ملنے کے لیے گئے تو اس انگریز حاکم نے پوچھا کہ نواب صاحب ہم آپ کو دبلا پاتے ہیں اس کی کیا وجہ مسلمان رئیس نے جواب دیا کہ گرمی کا موسم ہے اور آج کل ہمارے یہاں رمضان کا مہینہ ہے ہم روزہ رکھتے ہیں، تو وہ کہتا ہے کہ آپ اپنے علماء سے کیوں نہیں درخواست کرتے کہ کمیٹی کر کے دوسرے موسم میں منتقل کر دیں انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا دین کمیٹی پر نہیں تو روزہ میں یہ دقت پیش آئی کہ گرمی کے دن پہاڑ ہوتے ہیں پیاس کے مارے ہونٹ خشک ہیں مگر کھانا پینا بند ہے یہ بھی کوئی مولوی صاحب فتویٰ نہیں دیتے کہ بجائے گرمی کے جاڑوں میں روزہ رکھ لینا۔

اب حج کی سنیئے حج کرنے کے لیے جو گئے تھے وہاں کہیں آب و ہوا کے اختلاف سے بیمار ہو گئے کہیں کسی کو بدوؤں نے کوٹا پیٹا[2] اب جو واپس آئے تو سب سے کہتے ہیں کہ حج کرنے مت جاؤ بڑی مصیبت کا سفر ہے۔ ان سب دشواریوں کو دیکھ کر اکثر لوگوں کے دلوں میں یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ علاج تو ٹھیک ہے مگر تلخ اتنا ہے کہ مرجانا سہل ہے تو وہ مثل ہوئی کہ پنچوں کا کہنا سر پر مگر پرنالہ ادھر ہی کو اترے گا ایسے ہی مولویوں کا کہنا سر پر مگر۔ شعر

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

جب یہ اشکال ہے تو ہم دیندار کیسے بنیں یہ تو عقلاء کو اشکالات پیش آتے ہیں۔

---

(۱) سوائے　　(۲) مارا پیٹا

دینداری اختیار کرنے پر جاہلانہ اشکالات

ایک جہلاء کو اشکال پیش آتا ہے کہ جب نماز وغیرہ دینداری کے کام شروع کیے مالی نقصان ہونا شروع ہو گیا۔ آج بھینس مر گئی کل بیل مر گیا دو چار دن کے بعد بیٹا مر گیا۔ ایک بڈھا دیہاتی تھا کہ بیٹے اس کی پروا نہ کرتے تھے ایک مولوی صاحب نے اس سے کہا کہ کمبخت نماز تو پڑھ لیا کر پہلے ہی دن نماز پڑھی تھی کہ بھینس مر گئی۔ اس کے بیٹوں نے کہا باوا نماز مت پڑھا کرو۔ اس نے کہا تو پھر میری خوب خدمت کرو۔ انہوں نے وعدہ کیا اب جب ذرا خدمت میں کوتاہی کرتے وہ دھمکاتا کہ میں پھر نماز شروع کردوں گا وہ ڈر جاتے اور خدمت شروع کردیتے۔ مدرسہ جامع العلوم میں بعض خیر خواہوں نے یہ تجویز کی تھی کہ لوگوں کے گھروں میں مدرسہ کے نام سے گھڑے رکھدیئے جائیں کہ اس میں روز ایک چٹکی آٹے کی ڈالدیا کریں چند روز میں باسانی طلبہ کے لیے بہت سا آٹا جمع ہو جائے گا۔ ان ہی گھروں میں سے ایک گھر میں اتفاق سے ایک لڑکا مر گیا انہوں نے مدرسہ کا گھڑا پھینک دیا کہ اس نحوست سے لڑکا جاتا رہا۔

اس پر مجھے ایک حکایت حیدر آباد کی یاد آئی کہ ایک بزرگ سے پیر پر پیر رکھ کر لیٹنے کی نسبت ایک شخص نے پوچھا کہ سنا ہے کہ یہ طریقہ منحوس ہے حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کبھی اس طرح بھی لیٹتے تھی اور بعض احادیث میں اس طریقہ سے ممانعت بھی آئی ہے مگر ممانعت اس ہیئت کی ہے کہ جس میں بے پردگی ہو جاوے ان بزرگ نے جواب دیا کہ[۱] ہاں بھائی منحوس تو ہے ہی اور ایک یہی کیا ساری سنتیں اور احکام شرعیہ منحوس ہیں رشوت کو حرام کردیا یہ ایک کھلی نحوست ہے کہ مال نہ بڑھ سکا زکوۃ واجب کردی یہ بہت ہی بڑھی

---

(۱) ناراضگی سے

نوست ہے کہ جو جمع کیا تھا اسے فضول خرچ کرا دیا۔

دیندار کو پریشانی کبھی بطور امتحان کبھی بطور رحمت ہوتی ہے

نیز کبھی احکام شرعیہ کے ماننے والے کا امتحان بھی ہوتا ہے کہ یہ محبت سے احکام مانتا ہے یا محض[1] دنیوی نفع کے لیے نیز کبھی حق تعالیٰ کو اس فرمانبردار پر یہ رحمت کرنا بھی مقصود ہوتا ہے کہ دنیائے مضر[2] سے اس کو بچاتے ہیں اس کے متعلق مجھے ایک حدیث یاد آئی کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا اور کہا **انی احبک یا رسول اللہ** کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے محبت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اعلم ماتقول کہ جو کہہ رہے ہو سمجھ کر کہو (مطلب یہ کہ میری محبت آسان چیز نہیں اس میں بڑی آزمائش ہوتی ہے) اس نے عرض کیا کہ واقعی محبت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ **فاعل للفقر تجفافاً** (یعنی فقر وفاقہ کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لے) اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے اس کی طرف فقر وفاقہ اس طرح آتا ہے جیسا کہ سیلاب نشیب[3] کی طرف دوڑ کر آتا ہے جو میری حالت ہے وہی تمہاری ہوگی المؤمن مع من احب (آدمی جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوتا ہے) اور اگر حضور ﷺ جیسی حالت کسی کو نہ بھی پیش آئے تو حضور ﷺ کے محب[4] کو اس حالت سے محبت تو ضرور ہوگی تو وہ اس کے آنے پر ہر وقت تیار تو رہے ہی گا۔ نیز جیسا میں اوپر لکھ چکا ہوں جب یہ شخص خدا تعالیٰ کا محبوب

---

(۱) صرف ۔ (۲) نقصان دہ دنیا سے

(۳) سیلاب نیچے کی زمین کی طرف دوڑ کر آتا ہے (۴) حضور ﷺ سے محبت رکھنے والے کو

ہوگا تو وہ اس کو مضرات[1] سے ضرور بچائیں گے اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے خاص بندوں کو دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں جیسے تم اپنے استسقاء[2] کے مریض کو پانی سے بچاتے ہو اس لیے دین دار کو ایک بد دین[3] کی برابر تمول[4] تو ہرگز نہیں ہوگا مگر اس کو ایک دوسری دولت ایسی ملے گی کہ یہ تمول اس کے سامنے گرد[5] ہے۔

دیندار کو توکل جیسی عظیم دولت ملتی ہے

اور وہ وہی دولت ہے جس نے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بن ادھمؒ سے تخت سلطنت چھڑادیا مگر کوئی یہ نہ سمجھے کہ تخت چھوڑ دینا دولت باطنی کے ساتھ ہر ایک کو ضروری ہے بات یہ ہے کہ اہل باطن دل سے تو ہمیشہ اس کو چھوڑ ہی دیتے ہیں یعنی اس کی طرف ان کو رغبت[6] نہیں ہوتی پھر جو منتہی[7] ہوتے ہیں وہ ظاہر میں اس کو نہیں چھوڑتے کیونکہ وہ متحمل[8] ہوتے ہیں چنانچہ حضرات صحابہؓ اس کے متحمل[9] تھے مگر اب عموماً طبائع[10] اس کے متحمل نہیں اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی کی جیب کمزور ہو اور اس میں دس اشرفیاں اور دس روپے بھرے ہوئے ہوں تو روپے کو نکال کر جیب سے الگ کردیں گے اور اگر کسی کی جیب مضبوط ہے اس کو نکالنے کی ضرورت نہیں اسی طرح ایسے مبتدی کو بھی اسباب ظاہرہ[11] کا ترک کرنا زیبا[12] نہیں جس سے آثار ترک[13] کا تحمل نہ ہوسکے ایسے ہی

---

(۱) تکلیف دہ چیزوں سے (۲) وہ مریض جس کو پیاس کی شکایت ہوگئی ہو اور پانی پینے سے بھی پیاس نہ بجھتی ہو (۳) بے دین (۴) مال داری (۵) یہ مال داری اس کے سامنے ہیچ ہے (۶) التفات (۷) جو سلوک یعنی طریقت میں آخری درجہ پر ہوتے ہیں (۸) کیونکہ وہ اسکا تحمل کرسکتے ہیں کہ مال دار یا صاحب اقتدار ہوں اور پھر وہ اس سے متاثر نہ ہوں (۹) برداشت کرسکتے تھے (۱۰) طبیعت (۱۱) اسباب ظاہری جیسے نوکری وغیرہ (۱۲) مناسب (۱۳) ظاہری اسباب ترک کرنے کے بعد جو مشقت پیش آئے اس کا تحمل نہ کرسکے

موقع پر عالمگیر کا شعر ہے۔

شنیدم ترک منصب کرد عاقل خاں بناداں
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

(میں نے سنا کہ عاقل خاں نے نادانی سے ترک منصب کر دیا عاقل ایسا کام کس واسطے کرے کہ پشیمانی سے واپس آئے)

اسی وجہ سے ہمارے حضرت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ نوکری خود نہ چھوڑو جب توکل غالب آجائے گا تو سارے اسباب خود بخود چھوٹ جائیں گے مگر چھوڑنے میں جلدی نہ کرے کہ پھر ندامت[1] ہوتی ہے۔ غرض باطنی دولت والے کو تمول[2] سے کبھی رغبت نہیں رہتی۔ لہذا وہ معنی تارک ہی ہوتا[3] ہے مگر بعض اوقات ترک صوری[4] میں بھی مصلحت ہوتی ہے اور چونکہ رغبت نہیں ہوتی اس لیے یہ شخص چھوڑ کر پچھتاتا بھی نہیں۔ بلکہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پھر ملتی تو اور نفرت زیادہ ہوتی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے پاس سلطنت چھوڑنے کے بعد ایک وزیر آیا کہ آپ کے سلطنت چھوڑ دینے سے لوگوں کو قلق[5] ہے فرمایا الحمدللہ مجھے قلق نہیں فقیری میں بہت راحت ہے۔ اس نے پوچھا کہ فقیری میں کیا راحت ہے میں تو دیکھتا ہوں کہ سارا کام آپ کو خود ہی کرنا پڑتا ہے نہ کوئی نوکر نہ خادم اس میں تو سخت تکلیف ہے۔ جب اس نے بہت ہی اصرار کیا تو آپ نے اپنا ایک ظاہری تصرف دکھلایا کہ سمندر کے قریب جا کر ایک سوئی اس میں پھینک دی اور فرمایا کہ اے سمندر کی مچھلیو میری سوئی سمندر میں گری ہے نکال کے دیدو صدہا[6] مچھلیاں چاندی سونے کی سوئیاں منہ میں لیے

---

(۱) پشیمانی (۲) مال دار ہونے کا کبھی شوق نہیں ہوتا (۳) مال دار ہونے کے باوجود مال سے محبت نہ ہونے کی وجہ سے وہ حقیقتاً تارک مال ہی ہے (۴) صورۃً بھی اس مال داری کو چھوڑنے میں منفعت ہوتی ہے
(۵) رنج (۶) سینکڑوں

ہوئے کھڑے ہو گئیں آپ نے فرمایا وہی سوئی لوہے کی میری لادو۔ ایک مچھلی آئی اور وہی سوئی لیکر رکھ گئی۔ اس وقت وزیر کو معلوم ہوا کہ اس فقیری سے حضرت ابراہیم ادھمؒ کو اتنی عظیم الشان سلطنت حاصل ہو گئی ہے کہ ہر چیز ان کے کہنے میں ہے۔ اور یہ اس کے مذاق کے موافق آپ نے ایک مثال دکھلادی ورنہ اصل دولت کے سامنے یہ کیا چیز ہے۔

ایک دوسرا واقعہ اور ہے وہ یہ کہ آپ نے وضو کا پانی لینے کے لیے ڈول کنویں میں ڈالا تو ڈول چاندی سے بھرا ہوا آیا، دوسری مرتبہ سونے سے بھرا ہوا آیا، تیسری مرتبہ جواہرات سے تو آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کیا کہ میری تو نماز کا وقت جارہا ہے اس وقت امتحان نہ لیجیے مجھے پانی کی ضرورت ہے اس سونے چاندی کو لیکر میں کیا کروں گا۔ تو ان دونوں حکایتوں سے یہ بات معلوم ہو گئی ہوگی کہ یہ حضرات دنیا کو چھوڑ کر پچتائے نہیں بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا جتنی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر زیادہ کوفت[1] ہوتی ہے آخر کار چھوڑنی پڑتی ہے تو اصل تارک تو اہل تمول[2] ہی ہیں اور تارکین میں سے کوئی بھی تارک نہیں کیونکہ ان کی اول سے یہی رائے ہوتی ہے کہ دنیا اس قدر جمع نہ کی جائے جس کو چھوڑنا پڑے تو عاقل کی آخری رائے یہی ہوتی ہے کہ اس کو چھوڑ کر ہلکا ہونا چاہیے گو بعض کے لیے خدا تعالیٰ کو منظور ہی یہ ہوتا ہے کہ دنیاوی تعلقات میں بھی پھنسے رہیں تا کہ مخلوق کو نفع پہنچے اور ان کی ظاہری و باطنی حالت کو درست کیا جائے جیسے کہ حضرات خلفاء راشدینؓ مگر وہ حضرات باوجود ان تعلقات کے بھی دنیا کی طرف دل سے مشغول نہیں ہوئے حضرات خلفاء راشدین کی یہ حالت تھی کہ پھٹے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور رعب تھا کسریٰ و قیصر پر تو اس قسم

(۱) پریشانی (۲) اصل چھوڑنے والے تو مال دار لوگ ہی ہیں

کا تعلق جو ان حضرات کو دنیا سے ہوتا ہے وہ تو عین عبادت ہے اس سے چنداں[1] کلفت نہیں ہوتی۔ موجب کلفت و باعث خسارہ تعلق دنیاوی ہوتا[2] ہے۔

دوسرا اشکال

خیر یہ گفتگو تو استطرادی[3] تھی اصل گفتگو یہ تھی کہ علاج تو مصائب کا دینداری ہے مگر اس علاج اور تدبیر پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ یہ تو سخت دشوار ہے کوئی آسان طریقہ بتلاؤ۔ اور اسی پر ایک دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ وہ آسان تدبیر بتلاوے کون۔ کیونکہ ہم شارع[4] تو ہیں نہیں جو اس کو بدل دیں اور اگر بدلیں بھی تو ہمارے بدلنے سے ہوتا کیا ہے حق تعالیٰ اس دین کے خود محافظ ہیں اگر ہم بدل بھی دیں گے تو مسلمان خود اس کو نہیں مانیں گے اور اگر کہو کہ خیر تم بھی مجبور ہو خدا تعالیٰ ہی کو آسان علاج بتلانا چاہیے تھا۔

عقلی اشکالات کا جواب

تو اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ جس کو جرأت ہو جا کر خدا تعالیٰ سے عرض کرے ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں مگر چونکہ ہم خدا تعالیٰ کے غلام ہیں اور غلام سے آقا پر اعتراض سنا نہیں جاتا اس لیے ہم بھی جواب بتلاتے ہیں۔

مناسب مرض علاج ہونا چاہیے آسان ہو یا مشکل

مگر پہلے ایک سوال ہم آپ سے کرنا چاہتے ہیں پھر تمہارے اس سوال کا جواب خود بخود معلوم ہو جائیگا اگر کسی مریض کے لیے طبیب نے ایک نسخہ تجویز کیا ہو کہ اس کے مرض کے لیے وہی مناسب ہو اور مریض یہ کہے کہ حکیم صاحب یہ تو

---

(۱) ذرا بھی پریشانی نہیں ہوتی (۲) پریشانی اور نقصان کا باعث دنیوی تعلق ہوتا ہے
(۳) ذیلی (۴) شریعت بنانے والے یعنی خدا تعالیٰ

بہت دشوار[1] اور سخت علاج ہے کوئی آسان تدبیر بتلائیے غور کرکے فرمائیے کہ حکیم صاحب اس کو کیا جواب دیں گے ظاہر ہے کہ نسخہ چاک کرکے پھینک دیں گے اور کہیں گے معلوم ہوتا ہے تجھ کو مریض ہی رہنا پسند ہے جو ذرا سی دشواری سے گھبراتا ہے حکیم صاحب کو معالج ہونے کے لحاظ سے مرض کے مناسب تجویز کرنی چاہیئے سہل[2] ہو یا سخت اور مریض کو اگر اپنا مرض زائل[3] کرنا مقصود ہے تو اس مناسب تجویز پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر سہولت و سختی پر اس کی نظر ہوگی تو حکیم بجز اس کے کہ اپنا نسخہ واپس لے لیگا اور کیا کرے گا۔ یہ تو حق تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ انہوں نے آپ کی اصلاح میں دریغ[4] نہیں کیا ورنہ ان کو کیا غرض پڑی تھی جو کوئی دیندار بنے اپنے لیے بے دین بنے تو اپنے لیے۔ جو اعمال تجویز کیے گئے ہیں وہ بالخاصہ[5] ہمارے امراض کے لیے مفید ہیں اب کسی کو شفا ہی کی ضرورت نہ ہو تو اس کا کیا علاج اور طالب شفاء کو اس پر نظر کرنی کب زیبا[6] ہے کہ یہ سہل ہے یا دشوار اس کو تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ میرے مرض کے لیے بھی یہ مفید ہے یا نہیں تو اب عقلاء کو تو شک رہا نہ ہوگا کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ہر چیز میں ایک خاصیت ذاتی ہوتی ہے کہ اس کی جگہ دوسری چیز وہ نفع نہیں دے سکتی تو ان اعمال کا بھی ایک خاصہ ہے جو بدون[7] ان کے حاصل نہیں ہوسکتا اور اگر یہ بناء فاسد[8] ہے کیونکہ متدین[9] خوش عقیدہ خود خواص اشیاء ہی کا اس درجہ میں قائل نہیں کہ وہ اس کی خاصیت ذاتی ہو جس کا انفکاک[10] نہ ہوسکے یا عموم نہ ہوسکے لیکن مدعیان[11] عقل فلسفی طبع لوگوں پر تو یہ حجت ہے اس لیے

---

(۱) مشکل (۲) آسان ہو یا مشکل (۳) دور (۴) آپکی اصلاح میں کوئی کسر نہیں چھوڑی
(۵) خصوص طور پر (۶) مناسب (۷) بغیر (۸) بنیاد ہی غلط (۹) دیندار (۱۰) جدا نہ ہوسکے
(۱۱) عقل کے دعویدار فلسفی لوگ

الزام کے طور پر میں کہہ سکتا ہوں کہ جب یہ عذر علاج جسمانی میں کبھی نہیں کیا جاتا تو علاج روحانی میں سہولت و دشواری پر کیوں نظر ہوتی ہے۔

ہر عمل میں کچھ حکمتیں ہیں

البتہ متدین لوگوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ تو اعمال کی خاصیت بدلنے پر قادر ہیں ایک دشوار سے دشوار عمل کی خاصیت ایک آسان عمل میں پیدا کرسکتے ہیں طبیب ظاہری چونکہ تبدیل خاصیت سے مجبور ہے اس لیے وہ بجز[1] اس کے کہ مریض طالب سہولت کو جواب دیدے اور کیا کرسکتا ہے مگر حق تعالیٰ تو قادر ہے اس لیے وہ سوال باقی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ بیشک خاصیت کے بدلنے پر قادر ہیں مگر جن حکمتوں کی وجہ سے وہ خواص ایک عمل میں رکھے ہیں بدلنے کی صورت میں وہ خاص حکمتیں باقی نہ رہتیں۔ اس سے آگے سرحد ملی ہوئی ہے قدر[2] کی اس میں ہم زیادہ گفتگو نہیں کرسکتے۔

حاکمانہ اور حکیمانہ جواب

مگر ایک نظیر[3] سے آپ اس کو کسی قدر[4] سمجھ سکتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفۃ الارض بنانے کے لیے پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ یسفک الدماء[5] (خونریزی کرے گا) تو حق تعالیٰ نے فرشتوں کو دو جواب دیے ایک تو حاکمانہ جواب دیا کہ انی اعلم ما لا تعلمون (میرے معاملات کی تمہیں کیا خبر)۔

ع۔ رموز مملکت خویش خسرواں دانند

(سلطنت کے رموز کو بادشاہ ہی جانتے ہیں) میں اپنے معاملات کا تم لوگوں

---

(۱) سوائے اسکے کہ (۲) یعنی مسئلہ تقدیر کی (۳) مثال (۴) کچھ (۵) البقرہ آیت ۳۰

سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور دوسرا جواب حکیمانہ دیا کہ علم آدم الاسماء کلھا یعنی کہ تمام اوصاف اور اسماء اور خواص اشیاء کے جن سے کہ ان کو کام پڑنے والا تھا تعلیم فرمادیے تاکہ وہ ان اسماء میں تصرف کرنے پر قادر ہوں خواہ وہ تصرف کسی قسم کا ہو کیونکہ تصرف ایک تو جمادات وغیرہ میں کرے گا اور ایک تصرف کرے گا خود انسان میں کہ اس کی اصلاح کریگا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ وہی شخص کرسکتا ہے جو خوب اچھی طرح محل الاصلاح کے اوصاف و خواص سے واقف ہو۔ غرض سب سکھلا کر اور پھر فرشتوں پر پیش کیا اور پھر فرشتوں سے فرمایا، نبوئنی باسماء ھولاء انکنتم صادقین [1] اگر تم سچے ہو انکے نام بتلاؤ اور اسماء کی تخصیص محض [2] ذکری ہے مقصود مع اوصاف خواص [3] بتلانا ہے۔ پھر فرشتوں نے حق تعالیٰ سے اپنے عجز کا اقرار کیا اور کہا سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا [4] الخ۔ پھر حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم ان کے نام بتلاؤ۔ قال یاآدم انبئھم باسمائھم (اے آدم تم بتلاؤان کے اسماء کو) پس آدم علیہ السلام نے سب بتلادیا فلما انبأھم جب آدم علیہ السلام نے نام بتلادیے تو قال الم اقل لکم الخ حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں تو خلاصہ یہ ہوا کہ خلافت کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ان کو تعلیم فرمائی۔

شرط خلافت فرشتوں میں نہیں

اب اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جو چیزیں آدم علیہ السلام کو بتلائیں اگر فرشتوں

---

(۱) البقرہ آیت ۳۱ (۲) صرف ذکر کے طور پر ہے

(۳) مقصد یہ ہے کہ سب چیزوں کے نام آپ کے اوصاف اور خواص کے ساتھ بتائے جائیں صرف نام پوچھنا مقصد نہیں ہے (۴) البقرہ آیت ۳۲

کو بھی بتلا دیتے تو وہ بھی اسی طرح بتلا سکتے تھے یہ تو ایسا ہوا کہ دو طلبہ کو امتحان میں اس طرح شریک کریں کہ ایک کو تو اول پندرہویں مقالہ کی شکل اول خلوت[1] میں سکھلا دیں اور دوسرے سے اسی شکل میں بغیر سکھلائے ہوئے امتحان لیں اس شبہ کا جواب سننے کے قابل ہے کہ یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تنہائی میں اسماء وغیرہ بتلائے تھے اور جب ثابت نہیں تو یہ بھی احتمال ہے کہ فرشتوں کے سامنے ہی بتلایا ہو اور یہی احتمال خدا تعالیٰ کے لطف کے اعتبار سے راجح[2] ہے تو اب وہ مثال صحیح نہیں ہو سکتی بلکہ اب اس کی مثال ایسی ہو گئی کہ پندرہویں مقالہ کی شکل اول دونوں طلبہ کے سامنے بیان کی گئی اور امتحان کے وقت ایک تو بوجہ مناسبت بتلا سکا اور دوسرا نہیں بتلا سکا تو اعتراض جو وارد ہوتا ہے اول صورت میں ہوتا ہے اس پر منع[3] کافی ہے اور اگر وہ احتمال بالفرض راجح نہ سہی مگر احتمال تو ہے ہی کہ فہرست سب کے سامنے پیش ہوئی ہو اور پھر بھی حضرت آدم علیہ السلام نے تو بتلا دیا اور فرشتے نہ بتلا سکے کیونکہ ہر علم کے واسطے استعداد کی ضرورت ہے اور ان علوم کی استعداد بشر[4] ہی میں تھی۔ مثلاً بھوک کی حقیقت کہ جبرئیل علیہ السلام نہیں سمجھ سکتے تو فرشتے باوجود سننے کے بھی بوجہ عدم[5] استعداد اس کی حقیقت نہ بتلا سکے تو حق تعالیٰ نے اس امتحان سے یہ بتلا دیا کہ تم میں وہ استعداد نہیں اور وہ شرط تھی خلافت کی۔

خبر اور علم میں فرق

اب ایک شبہ اور رہا کہ جب آدم علیہ السلام نے ان کو بھی بتلا دیا تو وہ ضرور سمجھ سکے ہوں گے تو ان میں بھی استعداد ثابت ہو گئی مگر یہ محض لغو اعتراض ہے کیونکہ

---

(۱) پہلے تنہائی میں (۲) ترجیح کے قابل ہے (۳) انکار (۴) انسان (۵) لیاقت نہ ہونے کی وجہ سے

بتلانے کے لیے مخاطب کا سمجھ لینا لازم نہیں اور اسی لیے انبأ فرمایا علم نہیں فرمایا تعلیم کے معنی ہیں سمجھا دینے کے اور انباء کے معنی ہیں اخبار کے یعنی تقریر کردی گو مخاطب نہ سمجھا ہو بہرحال استعداد کی ہر علم کے لیے ضرورت ہوتی ہے تو اس تقریر پر یہی اعتراض پڑتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ خاصیت ہی بدل ڈالتے اور وہ استعداد ملائکہ ہی میں پیدا کردیتے تو وہ بھی سمجھ لیتے جواب یہ ہے کہ خاصہ اس کو کہتے ہیں کہ اس ذات کے علاوہ کسی اور ذات میں نہ پایا جاوے۔ ورنہ خاصہ نہ رہے گا تو استعداد جو خاصہ[1] بشر ہے ملائکہ میں کیسے پائی جاسکتی ہے اور اگر کہو کہ ان ہی فرشتوں کو بشر کرکے خلیفہ کردیتے تو یہ مسئلہ تقدیر کا ہے اس میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کو بشر کیوں نہیں کیا اس کی نسبت صرف یہی کہا جاوے گا کہ۔

حدیث مطرب و مے گو در او دہر کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا

(یعنی عشق و محبت کی باتیں کرو اور زمانہ کے بھید و اسرار کی ٹوہ میں مت لگو کیونکہ یہ عقدہ نہ کسی سے حل ہوا نہ کوئی حل کرسکے گا)

اور یہیں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا شفقت ہے کہ مسئلہ قدر[2] میں گفتگو کرنے سے منع فرمادیا کیونکہ اس میں سوالات کا انقطاع[3] نہیں ہوتا تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ہی میں فرمادیا۔ ع

اول ما آخر ہر منتہی سب (ہمارا شروع ہی ہر منتہی کا آخر ہے)

غرض جو کام بڑے بڑے عقلاء ٹھوکریں کھا کر کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ہی میں بتلادیا پس اس طرح اس سوال کا جواب ہم نہیں دے سکتے کہ خاصیت اعمال کی بدل دیتے جیسے وہاں فرشتوں کو بشر کردینے کا اعتراض تھا تو غرض یہ ہے کہ ہر گناہ کی ایک خاص خاصیت حق تعالیٰ نے پیدا کردی اور اس کا ایک علاج

---

(۱) انسان کی خصوصیت (۲) تقدیر کے مسئلہ میں (۳) سوالات ختم نہیں ہوتے

مقرر کردیا تواب یہ اعتراض لغو ہے کہ جو خاصہ نماز کا ہے وہ بدوں نماز ہی کے کردیتے تو یہ اشکال بھی مندفع[1] ہوگیا بس اب معلوم ہوا کہ ان امراض کا علاج انہیں اعمال میں ہے اب وہ مثال توضیح[2] کے لیے طبیب کی کافی ہوگئی کہ جیسے طبیب علاج کو خاص دوا میں منحصر کرتا ہے اور اس پر اعتراض کرنا لغو[3] ہے اسی طرح خدا تعالیٰ پر یہ شبہ کرنا لغو ہے تو یہ اعتراض کہ خدا تعالیٰ نے اصلاح کو ان ہی موجودہ احکام میں منحصر[4] کیوں کیا نہ خدا پر ہوسکتا ہے نہ مولویوں پر کیونکہ اول تو مولوی احکام کو مشروع[5] ہی کیوں کرتے اور اگر کرتے تو ان کے کرنے سے ہوتا ہی کیوں۔ بلکہ ایسا ہوتا جیسا کہ ایک رند نے کسی واعظ سے یہ سن کر کہ بے وضو نماز نہیں ہوتی، کہا تھا کہ بارہا کردیم شد (ہم نے بارہا کیا ہے اور ہوگئی) اعمال کی صورت تو ہوجاتی ہے مگر واقع میں ان کی روح تو نہ ہوتی البتہ اس کا خدا کو بے شک اختیار تھا مگر اب تو وحی بھی منقطع ہوگئی، اب تو احتمال ہی نہیں اور وحی کے وقت بھی کیوں ہوتا۔ لو اتبع الحق اهواءهم لفسدت السموات والارض[6] (اور اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہوتا تو زمین و آسمان فاسد ہوجاتے) وہ قانون ایسا ہوتا جیسے بہت سے ڈاکو جمع ہو کر کہیں کہ ہم سے مشورہ کرکے قانون بناؤ کہ ڈکیتی کو جائز کہدو تو مجلس وضع[7] قانون کی یہ کہے گی کہ اگر قانون تمہاری خواہش کے تابع ہو تو تمام عالم میں فساد ہوجاوے گا اسی طرح خدا تعالیٰ فرماتے ہیں تو معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں تبدل[8] تو نہیں ہوسکتا تو یہ ہوس[9] تو گئی مگر صرف یہ اشکال رہا کہ یہ دشوار[10] تو ہے یہ ہے اشکال جو بہت

---

(۱) یہ اشکال بھی دور ہوگیا (۲) وضاحت کے لیے (۳) بیکار (۴) گھیر لیا (۵) احکام شریعت بناتے ہی کیوں (۶) المومنون آیت ۷۱ (۷) قانون بنانے والی مجلس (۸) تبدیلی (۹) خواہش (۱۰) مشکل

بڑا عقیدہ ہے اور بھی مانع[1] ہے مسلمانوں کو اتباع شریعت سے مسلمان دلائل سے مان تو ضرور جاتے ہیں خصوصاً انقلاب عالم کو دیکھ کر اکثر عقلاء اقرار بھی کرنے لگتے ہیں کہ شریعت کے چھوڑنے کی ساری خرابی ہے۔ مگر اقرار بھی اسی وقت تک ہے جب تک کہ الفاظ ہی الفاظ ہیں کچھ کرنا نہیں پڑا کیونکہ الفاظ تو شیریں[2] ہی ہیں باقی کرنے کے نام صفر۔

مجھے الفاظ پر ایک قصہ یاد آیا کہ ایک شخص مرا اس کا ایک بیوقوف بیٹا تھا جب وہ باپ مرنے لگا تو اس نے سوچا کہ یہ ہے بیوقوف اور آئیں گے تعزیت کرنے والے خدا جانے ان کے ساتھ کس بے تمیزی سے پیش آوے گا اس لیے ان کو مناسب دستور العمل[3] سکھلا دینا مناسب ہے۔ پس اس نے وصیت کی کہ جو شخص آئے اس کو اونچی جگہ بٹھلانا اور اس سے نرم و شیریں باتیں کرنا اور اس کو قیمتی کھانا کھلانا اور بھاری کپڑے پہن کر اس سے ملنا اتفاقاً ایک شخص آپہنچا آپ نے حکم دیا کہ ان کو اونچی مچان پر بٹھلاؤ اور خود جوڑہ بدلنے گئے بھاری بھاری قالین اور دریاں لپیٹ کر تشریف لائے اب مہمان جو بات کرتا ہے اس کے جواب میں گڑ اور روئی ارشاد ہوتا ہے پھر کھانے کے وقت گوشت آیا ذرا سخت تھا مہمان نے شکایت کی تو آپ فرماتے ہیں میاں کے لیے پچاس روپیہ کا کتا کاٹ ڈالا آپ کو پسند ہی نہیں آیا۔ مہمان حیران ہے فعل عجیب ہے وجہ پوچھنے پر سب کی توجیہ[4] فرمائیں چنانچہ گڑ اور روئی کی وجہ نرم اور شیریں الفاظ کی وصیت بتلائی تو جیسے اس نے معنی سے قطع نظر کرکے صرف نرمی اور شیرینی پر دلالت کرنے

---

(۱) رکاوٹ
(۲) میٹھے
(۳) کام کا طریقہ
(۴) ہر عمل کی وجہ بیان کی

والے الفاظ یاد کرلیے تھے ایسے ہی ہمارے بھائیوں نے محض[1] الفاظ یاد کرلیے کہ مذہب ضروری چیز ہے اس میں پختگی کرنی چاہیے۔ مگر میں ڈرتا ہوں کہ جب ان کو عمل کے لیے کہا جاوے گا اس وقت خامی[2] ظاہر ہو اور پھر وہی سوال دشواری کا پیش کریں اس لیے ضروری ہے کہ عمل کے وقت کی دشواری کے متعلق ان کو بتلایا جاوے کہ آیا دین دشوار ہے یا نہیں سو ایک جواب تو معروض[3] ہو چکا ہے اگر دشوار بھی ہو تو خواص مطلوبہ ضروریہ کی تحصیل[4] کے لیے قبول کرنا چاہیے۔

دین میں تنگی نہیں

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ واقع میں دین میں دشواری ہی نہیں۔ یہاں اسی جواب کو فرماتے ہیں کہ ماجعل علیکم فی الدین من حرج (اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں تنگی نہیں کی ہے) اور کیسی بے فکری سے کہتے ہیں آخر خدا ہیں نا اگر کوئی بندہ ہوتا تو ایسے موقع پر کہ ایک عالم دشواری کا مدعی ہو خدا جانے کتنی تمہیدوں کے بعد جواب دیتا یہاں ایک دم سے نہایت پر زور لہجہ میں حرج[5] کی نفی فرمادی اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی بڑا انجنیر جرثقیل سے ایک بڑے بھاری بوجھ کو اٹھارہا ہو اور ایک گنوار کہے کہ اس کو یہیں رہنے دو کہ مصلحت ہے تو وہ نہایت لاپروائی سے کہے گا کہ نہیں یہ وہیں جاوے گا۔ اور خدا کی تو بڑی شان ہے ان کو وجوہ بتلانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب اہل تحقیق اپنی خاص شان میں ہوتے ہیں تو محض عوام کے نہ ماننے کی ضرورت سے اسرار و نکات و وجوہ[6] نہیں بتلا

---

(۱) صرف (۲) نقص
(۳) پیش کیا جاچکا
(۴) مطلوبہ خواہش کو حاصل کرنے کے لیے
(۵) تنگی کا انکار کردیا
(۶) پوشیدہ حکمتیں اور وجہیں بیان نہیں کرتے

کرتے۔ ہاں کبھی اس کے پرپرزے بھی بیان کردیتے ہیں، چنانچہ خدا تعالیٰ نے بھی کہیں کہیں بیان کیے ہیں اس لیے محققین نے کہا ہے کہ۔

بامدعی نگوید اسرار عشق مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

(مدعی سے عشق و مستی کے اسرار نہ کہو اس کو رنج اور خود پرستی میں مرنے دو)

حاکمانہ جواب شفقت کی دلیل ہے

بخلاف غیر محقق[1] کے کہ اس پر جب اعتراض ہوتا ہے وہ بھڑک اٹھتا ہے اور زور شور کی تقریر شروع کردیتا ہے اور محقق بھڑکتا نہیں بلکہ سارے جوابوں کو طے کرکے اوپر پہنچتا ہے اس لیے بعض اوقات جواب ہی نہیں دیتا پس جواب نہ دینے کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو جواب سے نیچے ہو کہ جواب تک نہ پہنچا یا اوپر ہو کہ اس سے بھی عبور کرگیا ہو محقق کی یہی شان ہوتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا کلام کہیں تو حکیمانہ ہے اور کہیں حاکمانہ اور یہ حاکمانہ طرز زیادہ شفقت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حکیمانہ جواب میں ذرا اجنبیت ہوتی ہے جیسے ایک تو طبیب کہے کہ یہ فلاں وجہ سے مضر[2] ہے اس کو نہ کھاؤ اور ایک باپ کہے کہ خبردار اس کو مت کھاؤ اور اگر وہ وجہ پوچھے تو کہے گا کہ بکومت بس مت کھاؤ۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ بڑا سخت باپ ہے تو غلطی ہے بلکہ وہ بڑا شفیق باپ ہے تو حاکمانہ انداز بڑی شفقت کی دلیل ہے تو حق تعالیٰ حاکمانہ فرماتے ہیں **ما جعل علیکم فی الدین من حرج** (اور اس نے تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی) تو اصل میں تو مجھے اس کا بیان کرنا ہے مگر اس سے پہلے ایک ایسا جملہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کو ذہن میں رکھ لیں تو پھر جواب میں تفصیل ہی کی ضرورت نہ رہے وہ جملہ

---

(۱) جس کو پوری تحقیق نہ ہو

(۲) نقصان دہ

یہ ہے ھو اجتباکم کہ اس نے تم کو مخصوص[1] بنالیا ہے مقصود یہ کہ کیا ہمارے خاص ہو کر تم ہماری بات نہ مانو گے ایک تو مخصوص کہنے میں یہ اثر ہوتا ہے دوسرے خود مخصوص ہونے میں ایک خاص مناسبت بھی ہوجاتی ہے جس سے خود بھی وہیں پہنچنے لگتا ہے جہاں پہنچانا مقصود ہے جیسے ایک نوکر کہ وہ گھر کا کام کرتا تھا اور پوچھ پوچھ کر کرتا تھا اس کے بعد آپ نے اس کو خاص کرلیا کہ وہ آپ کے گھر کے مشورے بھی سنتا ہے تو اس کو احکام کے اسرار[2] بھی معلوم ہونے لگے ہیں تو خصوصیت میں یہ خاصہ ہے خاصکر جو کہ خدا کا مخصوص ہے اس کی تو علوم میں یہ حالت ہوجاتی ہے ویرزقه من حیث لایحتسب[3] (اور ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں جہاں گمان بھی نہیں ہوتا) اور علوم باطنہ میں یہ حالت ہوجاتی ہے۔

بینی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معید و دستا

(تم کو بے مددگار اور بغیر استاد و کتاب کے انبیاء جیسے علوم حاصل ہوں گے)

اور یہ تفسیر نہیں ہے من حیث لایحتسب کی محض مثال ہے لیکن اگر کوئی اس لطیفہ کو آیت کے عموم کی تفسیر بھی کہے تو گنجائش ہے چنانچہ بعض مفسرین نے ومما رزقناهم ینفقون[4] (جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں) میں اس کے عموم رزق سے فیض علمی مراد لیا ہے اور ایک دوسری آیت میں بھی رزق کو دنیا کے رزق سے عام لیا ہے یرزقون فرحین (رزق دیا جاتا ہے ان کو اس حال میں وہ خوش ہیں) تو اسی طرح اگر کوئی اس آیت میں بھی رزق سے علم مراد لے لیے تو جائز ہے۔ نیز مشاہدہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ

---

(۱) اپنا خاص بندہ
(۲) تمام حکموں کی حکمتیں
(۳) سورۃ الطلاق آیت ۳
(۴) البقرہ آیت ۳

کے مخصوصین[1] علوم میں خود وہاں تک پہنچتے ہیں جہاں اہل نظر نہیں پہنچتے۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے کتابیں کچھ بہت نہیں پڑھی تھیں بلکہ پڑھنے کے زمانہ میں بھی بہت شوق و مشقت سے نہ پڑھا تھا مگر مولانا کا علم ان کے رسائل سے ملاحظہ فرمالیجیے

ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک مضمون نیا بیان کیا کسی نے حاضرین میں سے کہا کہ یہ مضمون تو ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب نے بھی بیان فرمایا تھا ارشاد فرمایا جہاں سے ہم کہتے ہیں وہاں ہی سے وہ بھی فرماتے تھے مگر اتنا فرق ہے کہ ان کے لیے سمندر کی برابر کھلتا تھا، ہمارے لیے سوئی کے ناکہ کی برابر کھلتا ہے تو جب یہ بات ہے تو ایسے شخص کو دلائل کی کیا ضرورت ہے مجھے علم مکسوب[2] اور علم موہوب[3] پر ایک مثال یاد آئی۔ ایک سیاح امیر عبد الرحمن کی فراست کی حالت بیان کرتے تھے کہ میں نے ایک رقعہ چند مشوروں پر مشتمل تنہائی میں لکھ کر پیش کرنے کے ارادہ سے جیب میں رکھ لیا۔ قبل اس کے کہ میں پیش کرتا انہوں نے خود ہی سب مضامین کا جواب دے دیا کہ بعض خیر خواہوں کی ایسی ایسی رائے ہے مگر اس کا یہ جواب ہے مجھ کو حیرت ہوئی۔ جب دربار برخواست ہوا تو میں نے کہا کہ امیر صاحب کیا آپ کو کشف ہوتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ نہیں میں کیا صاحب باطن ہوں جو کشف ہوگا عقل سے ادراک ہوجاتا ہے اور عقل اور کشف میں تھوڑا ہی فرق ہے کہ کشف مشابہ ٹیلیفون کے ہے کہ صاف صاف معلوم ہوتا ہے اور عقل مشابہ ٹیلیگراف کے کہ ذرا غور سے معلوم ہوتا ہے۔

---

(۱) خاص بندے

(۲) وہ علم جو کتابیں پڑھ کر اساتذہ سے حاصل کیا جائے

(۳) وہ علم جو اللہ تعالی بغیر اساتذہ اور کتب کے بطور الہام عطا فرمائے

واقعی عجب مثال ہے۔ **کلام الملوک ملوک الکلام**[1] تو حق تعالیٰ ان کو گویا ٹیلیفون سے بتلادیتے ہیں فرق یہ ہے کہ ٹیلیفون میں تو خاص متکلم[2] کی آواز ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ آواز سے پاک ہیں تو علم بالکنہ[3] کا جو نتیجہ ہوتا وہ اس کو حاصل ہوجاتا ہے پس ھو اجتباکم (اس نے تم کو مخصوص بنالیا ہے) کو اس طرف اشارہ کرنے کے لیے مقدم فرمایا۔ اور اس میں یہ بتلادیا کہ اگر اسرار شریعت جاننا چاہتے ہو تو خدا کے برگزیدہ بنو اور خدا کا برگزیدہ ہونا تو بڑی بات ہے بزرگوں کے پاس بیٹھنے بلکہ ان کا چہرہ دیکھنے سے بہت شبہات کا حل ہوجاتا ہے۔ مولانا رومی نے سچ فرمایا ہے۔

اے لقاء تو جواب ہر سوال　　　مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(آپ ایسے بابرکت ہیں کہ آپ کی ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے بلاشبہ آپ سے ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے)

اہل اللہ سے تعلق کی برکت

میرے ایک ہم وطن جو کہ اس وقت انگلستان میں ہیں وہ مجھ سے نقل کرتے تھے کہ میں ایک وقت باندہ میں تھا وہ انگریزی میں بڑی ذی استعداد[4] ہیں اور نوکری میں ایسے خوش اقبال کہ جب کوشش کی فوراً ہی چار سو پانچسو[5] کے نوکر ہوگئے مگر بے استقلالی[6] کے سبب ان کو کبھی نوکری سے انتفاع[7] نہیں ہوا۔ غرض ذکی[8] بہت ہیں مگر علم دین سے واقف نہیں اس لیے یہ واقعہ ہوا کہ

---

(۱) بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے　　(۲) کلام کرنے والے
(۳) حقیقت جاننے کا　　(۴) اہل
(۵) اس زمانے کے چار پانچ سو آج کے چالیس پچاس ہزار کے برابر ہیں
(۶) مستقل مزاج نہ ہونے کی وجہ سے
(۷) فائدہ　　(۸) ذہین

ایک مرتبہ صحابہ کرام کی تاریخ دیکھ رہے تھے اور رمضان کا روزہ بھی تھا اس میں تھا کہ ایک جگہ گئے اور کسی کافر بادشاہ کے پاس پیام بھیجا کہ یا اسلام لاؤ یا جزیہ[۱] دو ورنہ قتال[۲] ہے ان کو شبہ ہوا کہ بس اسلام کی یہ قیمت ہے کہ بجائے اسلام کے جزیہ پر راضی ہوگئے حالانکہ اسلام کی تو وہ قیمت ہے کہ

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(اپنی قیمت دونوں جہان بتلائی ہے نرخ بڑھاؤ ابھی تک ارزانی ہے)

یہ محض شریعت کی رحمت عامہ ہے کہ اسلام پر جبر نہ کرکے جزیہ قبول کرلیا اور ان لوگوں کے حقوق برابر رکھے اور یہ شبہ ایسا بڑھا کر اسلام کی حقانیت ہی کا انکار دل میں جم گیا پھر خیال آیا کہ جب اسلام ہی کچھ نہیں ہے تو روزہ کیا چیز ہے آکر پانی پی لیا اس کے بعد رنج ہوا کیونکہ اسلام بہت مدت کا رفیق تھا۔ شام کو حسب معمول ایک دوست کے پاس پہنچے انہوں نے افطار میں شرکت کے لیے بلایا تو انہوں نے کہا کہ میری ایسی حالت ہے کہ اگر تم کو معلوم ہوجاوے تو پاس بھی نہ بٹھلاؤ انہوں نے کہا کہ بیش ازیں نیست (اس سے زیادہ نہیں ہے) کہ تم کافر ہوگئے ہو گے تو وہ اللہ تعالی کے ساتھ معاملہ ہے باقی اس کا اثر باہمی دوستی پر کیوں ہو یہ حکمت تالیف[۳] کے لیے کہا جب کھا پی چکے انہوں نے حقیقت پوچھی معلوم ہونے پر کہا ہماری خاطر سے تم مولانا فضل الرحمن صاحب سے مل لو یہ ہنسے کہ مولوی صاحب بجز[۴] قرآن وحدیث کے ان حقائق فلسفیہ کو کیا جانیں اور میرے شبہات کا کیا جواب دیں گے مگر جس چیز کے نہ جاننے کو یہ نقص سمجھ رہے ہیں وہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ۔

---

(۱) ٹیکس　(۲) لڑائی
(۳) دل جوئی کی حکمت سے　(۴) سوائے

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم　　　الاحدیث یار کہ تکرار میکنیم

(جو کچھ ہم نے پڑھا سب کو فراموش کردیا بجز محبوب حقیقی کی باتوں کے ان ہی کا تکرار کرتے ہیں)

یہ شعر میں نے خود مولانا کی زبان سے سنا ہے حقیقت میں علم تو وہی ہے ایک صوفی فرماتے ہیں۔

علم نبود غیر علم عاشقی　　　ما بقی تلبیس ابلیس شقی

(علم عاشقی کے علاوہ جو بھی علم ہے وہ ابلیس شقی کی تلبیس ہے)

اور وہی کہتے ہیں۔

ایھاالقوم الذی فی المدرسہ　　　کلما حصلتموہ وسوسہ

(جو کچھ مدرسہ میں علم حاصل کیا وہ وسوسہ تھا)

بس یہ تو اپنے علم پر فخر کرتے ہیں مگر عام لوگ اس کو ذلیل کہتے ہیں کہ یہ کیا جانیں سوائے قرآن و حدیث کے حالانکہ تمام دنیا کے فلسفی قرآن و حدیث کے آگے گرد ہیں آخر حضور ﷺ کے سامنے بڑے بڑے فلسفی آئے مگر سب ساکت[1] تھے غرض انہوں نے غایت تحقیر[2] سے کہا کہ مولانا کیا جانیں، انہوں نے کہا تم میری ہی خاطر سے جاؤ تو سہی انہوں نے کہا کہ خیر تمہاری خاطر[3] چلا جاؤں گا، آخر گئے اور ادب کے سبب زیادہ راستہ پیدل قطع[4] کیا اور اسی حالت ہجوم اعتراضات[5] میں پہنچے اور خوب منصوبے سوچ رکھے تھے کہ یہ کہوں گا وہ کہوں گا جاکر کہا السلام علیکم مولانا نے سلام لیکر فرمایا بولو کیا شبہ ہے بیان کرتے تھے

---

(۱) خاموش تھے　　　(۲) بہت ہی حقارت سے

(۳) وجہ سے　　　(۴) طے

(۵) دماغ میں اعتراضات بھرے ہوئے تھے

ہ اب جو اعتراض سوچتا ہوں اس کا جواب ذہن میں موجود اب مولانا تو تقاضا رہا ہے ہیں اور یہ گم سم[1] حیران۔ خلاصہ یہ کہ کچھ بھی نہ رہا قلب[2] صاف ہو گیا آخر میں انھوں نے عرض کیا کہ مجھ کو بیعت کر لیجیے کہتے تھے کہ مجھ سے عمل میں تو بڑی بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں لیکن عقائد کے متعلق کبھی کوئی وسوسہ تک اس روز سے نہیں آیا۔ مجھ کو یہ حکایت اس پر یاد آ گئی کہ۔

اے لقاء تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(آپ ایسے بابرکت ہیں کہ آپ کی ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے بلاشبہ آپ سے ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے)

یہ برکت ہے اہل اللہ سے تعلق رکھنے کی خود بھی اس کا اہتمام کیجیے اور اپنی اولاد کے لیے اس کا انتظام کیجیے اور اگر عذر ہو کہ وہ انگریزی پڑھتے ہیں ان کو اتنی فرصت کہاں تو میں اس کی ایک سہل اور مختصر صورت بتلاتا ہوں کہ صرف تعطیلات میں اپنے بچوں کو کسی بزرگ کے پاس بھیجدیا کیجیے اور خود بھی رہ لیا کیجیے اور میں اس کا اطمینان دلاتا ہوں کہ وہ تعلیم انگریزی یا نوکری نہ چھڑاویں گے۔ بلکہ اگر آپ خود بھی چھوڑنا چاہیں گے تو وہ نہ چھوڑنے دیں گے کیونکہ وہ حکیم سمجھتے ہیں کہ ضعفاء[3] کے لیے نوکری چھوڑنے میں زیادہ مفاسد[4] ہیں غرض تمام تر وجہ آپ کے شبہوں کی یہ ہے کہ اسلام کی حقیقت معلوم نہیں تو جب بزرگ کے قرب میں انکشاف حقیقت کا اثر ہے تو خدا کے قرب میں تو یہ اثر کیسے نہ ہوگا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ تم مجتبیٰ (مخصوص) بنو اگر کہو کہ خدا تعالیٰ نے تو مجتبیٰ

---

(۱) چپ چاپ حیران کھڑے ہیں

(۲) دل صاف

(۳) کمزور

(۴) نقصان

بنالیا چنانچہ ھو اجتباکم کا یہی ترجمہ ہے پھر ہم کو کیا ضرورت ہے کہ سبحان اللہ اگر کوئی کہے کہ شام کو فلاں شخص نے تمہاری دعوت کی ہے تو کیا اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہی خود تمہارے منہ میں بھی دے گا اس نے تو تمہارے لیے سامان کیا ہے باقی کھاؤ تم خود اسی طرح اجتبا[1] کا سامان تمہارے لیے کردیا ہے باقی اس کو حاصل کرو تم۔ اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک گوجر کے یہاں ایک موروثی پیر آیا گوجر بولا اب کے تو بہت ہی دبلے ہو رہے ہو پیر صاحب بولے تم نماز نہیں پڑھتے تمہارے بدلے میں پڑھتا ہوں تم روزہ نہیں رکھتے میں ہی رکھتا ہوں علیٰ ہذا[2] سب اعمال۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ پلصراط پر جو کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے تمہارے عوض چلنا پڑتا ہے تو کہاں تک دبلا نہ ہوں گوجر بولا بہت ہی کام کرنا پڑتا ہے جا میں نے فلاں کھیت تجھے دیدیا پیر خوش ہوئے کہا کہ قبضہ کرادے وہ ساتھ چلا۔ دھانوں[3] کی پتلی پتلی ڈولیں ہوتی ہیں ایک جگہ پیر پھسل کر گر گئے گوجر نے ایک لات دی کہ تو پلصراط پر کیا چلتا ہوگا جھوٹا ہے میں ایسے جھوٹے کو کھیت نہیں دیتا۔ اب وہ کھیت بھی چھین لیا اور چوٹ بھی لگی۔ تو اسی طرح اب اگر کوئی چاہے کہ مجتبیٰ تو ہم ہوں مگر کام سارے کوئی دوسرا کرے۔ نہیں بلکہ طریقہ بتلادیا اب تم کرو یہ سب ھو اجتباکم اس نے تم کو مخصوص بنالیا ہے کے متعلق بیان تھا۔

تنگی کے معنیٰ

اب اس مقصود یعنی نفی حرج کے متعلق عرض کرتا ہوں وہ عرض یہ ہے کہ

---

(۱) خصوصیت

(۲) اسیطرح باقی سب اعمال بھی

(۳) کھیتوں

یہ جو کہا جاتا ہے کہ دین میں دشواری[۱] ہے اس کے معنی کیا ہیں کیونکہ اس کے دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ قانون کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور یہ دشوار ہے اور ایک یہ کہ خود قانون ہی محنت ہے تو اسلام میں کونسی دشواری ہے آیا یہ کہ قانون کی پابندی کرنی پڑتی ہے تو تسلیم ہے کیونکہ اس میں ضرور دشواری ہوتی ہے خواہ کتنا ہی سہل قانون ہو۔ مثلاً جو لوگ کہ عدالت میں نوکر ہیں اور ان کا وقت دس بجے سے ہے تو کیا کبھی یہ پابندی دشوار نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے اور اس وقت کہتے ہیں کہ نوکری بڑی ذلت کی چیز ہے مگر اتنی ہی بات پر اس کو کبھی چھوڑ نہ دیا۔ تو جب قانون کی پابندی ہوگی اس میں دشواری ضرور ہوگی تو اگر اسلام میں یہ دشواری ہے تو تسلیم ہے بلکہ اس کو تو خود ہی ثابت کرتے ہیں **لا تتبعوا الهوى**[۲] (خواہش کا اتباع مت کرو) اور اس سے صاف **انها لكبيرة الا على الخاشعين**[۳] (بلاشبہ وہ نماز دشوار ہے بجز خدا سے ڈرنے والوں پر) غرض یہ دشواری تو تسلیم ہے مگر اس میں اسلام کی کیا تخصیص[۴] ہے یہ تو سب ہی کام میں بلکہ کھانے میں بھی ہے کوئی اپاہجوں سے پوچھے خاص کر واجد علی شاہ کے احدیوں سے کہ کھانا کتنا مشکل کام ہے مشہور ہے کہ واجد علی شاہ کے یہاں دو احدی تھے ان میں باری اس طرح تھی کہ ایک لیٹا ہوا آرام کرے دوسرا بیٹھا ہوا اس کی حفاظت کرے۔ اسی طرح ایک لیٹا ہوا تھا ایک بیٹھا ہوا۔ ایک سوار ادھر سے گذرا لیٹے ہوئے نے پکارا کہ میاں سوار ذرا یہ بیر جو میرے سینے پر رکھا ہے میرے منہ میں ڈالدو اس آرام طلبی سے سخت حیرت ہوئی اور اس سے زیادہ یہ حیرت ہوئی کہ

---

(۱) مشقت
(۲) البقرہ آیت
(۳) البقرہ آیت ۴۵
(۴) خصوصیت

اس کا رفیق[۱] جو پاس بیٹھا ہے اس سے اتنا کام نہیں ہوتا۔ اس لیے اس بیٹھے ہوئے سے کہا کہ بھائی تو ہی اس کے منہ میں ڈالدے، وہ بہت بگڑا اور کہنے لگا کہ جناب میری آپ کی لڑائی ہوجاوے گی آپ کو کیا خبر یہ میرے ساتھ کیسا ہے کل میں لیٹا تھا یہ بیٹھا تھا مجھ کو جو جمائی آئی اس سے منہ کھل گیا، ایک کتا آکر منہ میں موتنے لگا یہ بیٹھا ہوا دیکھتا رہا اور اس سے اتنا نہ ہوا کہ کتے کو ہٹادے میں ضرور اس کے منہ میں بیر دونگا سوار حیرت میں غرق[۲] ہوگیا اور لاحول پڑھتا ہوا چلدیا تو حضرت اگر کوئی احدیوں[۳] سے پوچھے تو ان کو تو کھانا بھی مشکل ہے ہمارے ایک عزیز دو بھائی ہیں ایک چھوٹے ایک بڑے بڑے صاحب ہاتھ پاؤں لپیٹ کر بیٹھ جاتے ہیں اور چھوٹے سے کہتے ہیں کہ میرے منہ میں لقمے دیکر مجھ کو کھانا کھلا۔ تو ایسی نظیریں بھی موجود ہیں اور رہیں گی تو اس طرح تو کھانے میں بھی دشواری ہے اور اس میں شرعی اور قانونی پابندیاں بھی ہیں مثلاً یہ کہ دوسرے کی چیز نہ کھاؤ اور ڈکیتی نہ ڈالو مگر اس کو کسی نے نہ کہا کہ بڑا سخت قانون ہے وجہ یہ کہ آپ کو ڈکیتی ڈالنا ہی نہیں ہے اس لیے آپ کو اس کی ممانعت کا قانون سخت معلوم نہیں ہوتا اور رشوت لینا مقصود ہے اس لیے اس کی ممانعت سخت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جو ڈکیتی پیشہ ہیں ان سے کوئی پوچھے اس ممانعت کے قانون کو کتنا سخت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ایک جماعت بیہودوں[۴] کی ایسی بھی ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ کوئی سلطنت نہ ہو حالانکہ ضرورت سلطنت کا قانون امر فطری ہے مگر یہ ان کو گراں ہے تو ایسے لوگ تو انسانیت ہی سے خارج ہیں تو محض

---

(۱) ساتھی
(۲) حیرت میں ڈوب گیا
(۳) کاہل لوجود لوگوں
(۴) نالائقوں

پابندی سے تو کوئی بھی نہیں بچ سکتا پھر اسلام ہی پر کیوں اعتراض ہے۔

دین کا قانون سخت نہیں

دوسرا درجہ یہ ہے کہ پابندی کی ضرورت تو تسلیم اور یہ سختی نہیں مگر خود قانون ہی بڑا سخت ہے تو واقعی یہ دشواری[1] دشواری ہے مگر دین میں ایسی دشواری ہی نہیں کہ قانون سخت ہو اب یہ شبہ ہوگا کہ یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے تو حقیقت میں اس میں تلبیس[2] ہوئی ہے قانون کی سختی تو وہ ہے کہ اگر اس کو سب بھی مان لیں تب بھی دشواری پیش آوے مثلاً یہ قانون ہوجاوے کہ اگر چھٹانک بھر سے زیادہ کوئی کھاوے تو پھر پھانسی ہوگی یہ ایسی سخت بات ہے کہ اگر سارے عمل کرنے کا ارادہ کریں تب بھی سب کو تکلیف ہو۔

دین پر عمل کرنے میں دشواری ایک عارض کی وجہ سے ہے

اور ایک دشواری اس طرح کی ہے کہ قانون تو نرم ہے اور علامت اس کی یہ ہے کہ اگر سب اس پر عمل کرنے لگیں تو کسی کو بھی دشواری پیش نہ آوے لیکن اس میں ایک خاص عارض[3] سے سختی پیش آجاوے وہ عارض یہ ہے کہ زیادہ آدمی اس پر عمل نہیں کرتے پس جب تھوڑے آدمی عمل کریں گے تو ان کو دوسروں کی وجہ سے ضرور تنگی ہوگی کیونکہ تعلق معاملات کا ان ہی دوسروں سے ہے تو اس کو قانون کی سختی نہ کہیں گے بلکہ اس سختی کا منشاء ان باغیوں کی بغاوت

---

(۱) تنگی

(۲) دھوکا ہوا

(۳) وجہ

مثلاً کوئی اگر ایسی جگہ پہنچے کہ وہاں کے لوگ باغی ہوں اور یہ شخص وہاں پہنچ کر کوئی چیز خریدے اور دام دیدے پھر اس سے کہا جائے کہ گو قانون سلطنت یہ ہے کہ پورے دام لیکر پوری چیز دو مگر ہم اس قانون کو نہیں مانتے اس لیے تم کو آدھی چیز ملے گی۔ تو ایمان سے کہیے کہ یہ دشواری قانون کی ہے یا ان بدمعاشوں کی بدمعاشی، قانون کا منشاء[1] تو یہ ہے کہ سیر بھر کی سیر بھر دو مگر ان بدمعاش لوگوں نے بدمعاشی کی اور سیر بھر کی آدھ سیر دی تو اس دشواری سے اگر کوئی گورنمنٹ کو برا کہنے لگے تو وہ احمق ہے یا نہیں تو جو دشواری اس وقت پیش آرہی ہے وہ دشواری یہ ہے جس کو اسلام پر تھوپا[2] جاتا ہے کوئی شخص اسلام کا کوئی ایسا قانون بتلائے کہ سب مسلمانوں کے مان لینے اور عمل کرنے کے بعد بھی اس میں دشواری پیش آوے اگر پچاس قیامتیں آجاویں جب بھی شریعت کا کوئی ایک قانون بھی ایسا نہیں بتلاسکتے صرف موجودہ دشواری کی وجہ یہ ہے کہ نافرمانوں سے سابقہ پڑرہا ہے مثلاً قرض کی ضرورت ہوئی اب جس کے پاس جاتے ہیں وہ کہتا ہے کہ سود لاؤ تو سود کی حرمت کا التزام شریعت پر دہنا اور اپنے کیے کو اسلام پر تھوپنا ایسا ہے کہ۔

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد　　　ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

(اے بیوقوف اپنے ہی اوپر حملہ کرتا ہے جیسا کہ اس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا تھا)

دین میں تنگی کا اعتراض خود اپنے اوپر ہے

مثنوی میں شیر کی ایک حکایت لمبی چوڑی لکھی ہے کہ ایک شیر کو ایک خرگوش نے دھوکا دیا اور کہا میں تمہارے راتب[3] کے لیے ایک موٹا خرگوش لاتا

---

(۱) چاہنا　(۲) زبردستی لگایا جاتا ہے　(۳) کھانے

تمہارستہ میں ایک دوسرا شیر ملا اور مجھ سے چھین لیا شیر کو غصہ آیا کہ بتلاوہ کہاں ہے اس نے ایک کنویں پر لیجا کر کھڑا کر دیا واقعی اس میں شیر کا عکس نظر آیا بس شیر اس کنویں میں جا کودا اندر پہنچ کر معلوم ہوا کہ میں نے اپنے ہی اوپر حملہ کیا تھا۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد   ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

(اے بیوقوف اپنے ہی اوپر حملہ کرتا ہے جیسا کہ اس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا)

اسی طرح ہم کو بھی اپنی دشواری کی صورت شریعت میں نظر آتی ہے مگر حقیقت میں یہ اپنے اوپر اعتراض ہے۔

اس پر ایک حکایت اور یاد آئی کہ ایک حبشی نے ایک آئینہ دیکھا اس میں اپنی صورت نظر پڑی آئینہ کو بڑے زور سے پتھر پر کھینچ مارا کہ ایسا ہی بدشکل تھا تب تو کوئی تجھ کو راستہ میں پھینک گیا۔ ایک اور احمق کی حکایت ہے کہ اس کا بچہ روٹی کھا رہا تھا لوٹہ میں ایک ٹکڑا گر پڑا جھانکنے سے اپنی صورت نظر آئی سمجھا کہ اس میں کوئی بچہ ہے۔ باپ سے کہا ابا اس نے میرا ٹکڑا لے لیا۔ باپ جھپنے اٹھے جھانک کر دیکھا تو اپنی شکل۔ بولے کہ لعنت خدا کی بڈھا ہو کر بچہ کا ٹکڑا چھین لیا تف[1] ہے تیری اوقات پر سووہ کس کو تف کہہ رہے تھے اپنے کو اسی طرح ہم لوگوں نے آئینہ شریعت میں اپنی شکل کو دیکھا اور وہ تنگی اپنی صفت تھی اس کو شریعت کی تنگی سمجھا۔

دین میں تنگی کی حقیقت

حضرت یہ ہے حقیقت سختی کی اور میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک طبیب علاج کر رہا ہے اور بہت شفیق بھی ہے مگر نہ ایسا آزاد کہ خاک پتھر سب کی

---

(۱) افسوس ہے

اجازت دیدے ظاہر ہے کہ جب غذائیں کھائی جاویں گی تو کسی چیز کی تو ضرور ہی ممانعت ہوگی۔ اتفاق ہے ایک دیہاتی پہنچا کہ صاحب کھاؤں کیا جواب دیا کہ بکری کا گوشت پالک وہ بولا یہ تو ملتا نہیں کہ مونگ کی دال، کہا یہ بھی نہیں ملتی، کہا فیرینی، کہنے لگا یہ بھی نہیں ہے پھر خود پوچھا بیگن کھالوں کہا ہرگز نہ کھانا، کریلہ کو پوچھا اس کو بھی منع کیا آلو سے بھی روکدیا تو دیہاتی نے کہا کہ صاحب ہمارے یہاں تو یہی چیزیں ملتی ہیں طبیب نے کہا کہ فتویٰ طب کا یوں ہی ہے۔ دیہاتی نے باہر آ کر کہا کہ صاحب یہ تو بڑے سخت ہیں کہ یہ بھی نہ کھاؤ وہ بھی نہ کھاؤ تو کیا طبیب پر یہ الزام صحیح ہے یا یہ کہا جاوے گا کہ وسعت[1] تو یہ ہے کہ متعدد چیزوں کی سب کی اجازت دیدی لیکن وہ مقام ایسا کوردہ ہے کہ بجز ان چیزوں کے وہاں کچھ ملتا ہی نہیں تو یہ طب کی تنگی تو نہیں اس شخص کے گاؤں والوں کی معاشرتی تنگی ہے اسی طرح حاجت ضروریہ پر نظر کر کے دیکھیے کہ معاش کی ضروری[2] سبیلوں کو جو کہ قریب الوقوع ہیں اگر پچیس آپ نکالیں گے تو بیس کو شریعت بجوز (جائز ہے) کہیگی اور پانچ کو لایجوز (ناجائز ہے) لیکن اگر آپ کے ملک والے ہمیشہ ان ہی پانچ کو استعمال کریں اور بیس کو متروک[3] کردیں تو تنگی معاشرت کی ہوئی یا قانون شریعت کی پس یہ الزام تو بحمد اللہ بوجہ احسن و اکمل رفع[4] ہوگیا اور اگر اس کی تصدیق میں شبہ ہو تو علم دین پڑھیے اس سے معلوم ہوگا کہ شریعت نے ابواب معاش[5] میں کس قدر توسع[6] کیا ہے۔

---

(۱) گنجائش (۲) معاش کمانے کے جو ضروری طریقے ہیں

(۳) چھوڑ دیں

(۴) الزام تو بحمد اللہ خوب اچھے اور مکمل طریقے سے دور ہوگیا

(۵) روزگار کے طریقوں پر

(۶) گنجائش

عارضی دشواری کا علاج

اب صرف ایک فریاد رہ گئی ہے اس میں جی چاہتا ہے مسلمانوں کی ہمدردی کرنے کو وہ یہ ہے کہ یہ تو سمجھ میں آگیا کہ شریعت میں تو دشواری نہیں مگر حالت موجودہ میں اس عارض کے سبب کہ ہم کو سابقہ ایسوں سے پڑا ہے جو شریعت پر عمل نہیں کرتے عارضی دشواری تو ہو گئی تو ہم پر تو دشواری کا اثر آخر پہنچ گیا، البتہ اعتقاد درست ہو گیا کہ شریعت میں دشواری نہیں۔ مگر عمل کس طرح کریں کیا لین دین چھوڑ دیں کیونکہ نوکریاں اکثر ناجائز معاملات اکثر ناجائز تجارت اکثر ناجائز تو یہ ایک فریاد قابل استماع[1] ہے سو اس کے متعلق بھی سن لیجیے اس میں قدرے تفصیل ہے وہ یہ کہ آپ نے جو چند معاملات کو دیکھ کر اس عارضی دشواری کے اعتبار سے عام حکم کر دیا کہ سب ہی دشوار[2] ہے غیر مسلم[3] ہے سمجھیے کہ ایسے اعمال دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ ان کی اصلاح کرنے سے معاش کی گاڑی کچھ اٹکتی ہے اور ایک وہ کہ ان کی اصلاح سے معاش کا کچھ بھی نقصان نہیں مثلاً وضع شریعت کے موافق بنائے نماز روزہ کرے حج کرے تکبر نہ کرے، باجا گاجا چھوڑ دے تو بتلائیے اس میں معاش کا کیا نقصان ہے تو اس میں تو آپ آج ہی سے اصلاح کر لیجیے بس زیادہ اعمال تو آپ کے آج ہی سے درست ہو جاویں گے کیونکہ پچاس عمل میں چالیس ایسے نکلیں گے کہ محض گناہ بے لذت ہیں کہ خواہ مخواہ آپ نے انکو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے آگے دس ہی رہ جائیں گے اس میں اگر آپ کی اصلاح نہ بھی ہوئی تو چونکہ غالب[4] درجہ اعمال صالحہ کا موجود ہو چکا ہے اس لیے حق تعالیٰ سے امید ہے کہ بقیہ اعمال کو جو کہ مغلوب و قلیل[5] ہیں درست

---

(۱) سننے کے قابل (۲) سب مشکل ہے (۳) یہ ماننے کے قابل نہیں (۴) اکثر وجہ (۵) کم کم

فرمادیں گے جیسے ایک شعلہ جوالہ[1] کو دیکھنے میں پورا دائرہ شعلہ نظر آتا ہے حالانکہ اس میں بہت چھوٹی قوس[2] نورانی ہے اور بڑی قوس ظلمانی مگر جب نور و ظلمت جمع ہوتے ہیں تو نور ہی غالب آتا ہے۔ اور اس درستی میں گو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی خاصیت ہی یہی ہے جیسے مقناطیس کہ بالخاصہ جاذب حدید[3] ہے پس اگر ہم یہ کہیں کہ اعمال صالحہ میں بھی خاصیت یہی ہے کہ بقیہ اعمال کو درست کردیتا ہے تو اس کا دعویٰ ہوسکتا ہے مگر میں اس کا راز بھی بتلاتا ہوں کہ اعمال صالحہ میں ایک اثر ہے کہ اس سے قلب[5] میں قوت ہوتی ہے اور صحابہ کی ترقی کا راز یہی ہے ہم نے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ بیماری میں اٹھا نہیں جاتا مگر نماز کے وقت بلا تکلف کھڑے ہو کر نماز ادا کرلیتے ہیں خوب کہا ہے۔

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم　　　ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

(ہر چند بوڑھا اور بہت ناتواں ہوگیا ہوں جس وقت تیرے چہرہ پر نظر ڈالتا ہوں جوان ہوجاتا ہوں)

ان کی خدمت میں جب جی چاہے جا کر دیکھ لیجیے غرض طاعت سے قوت ہوتی ہے اور اصلاح نہ کرنے کا صرف یہی سبب تھا کہ ہمت نہیں ہوتی تھی مگر جب قوت ہوگی تو تمام موانع مضمحل[6] ہوجاویں گے اور اگر کوئی اس ڈر سے کہ کبھی اصلاح ہوجاوے یہ تدبیر بھی نہ کرے تو دوسری بات ہے جیسے کسی نے یہ سن کر کہ چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہوجاتا ہے کہا تھا کہ ہم چاند ہی نہ دیکھیں گے غرض اس طرح قوت پیدا ہوجاتی ہے اور ضعف جاتا رہتا ہے۔ یہ ہے وہ راز اور اگر بالفرض

---

(۱) بھڑکتا شعلہ آگ کا　　(۲) دائرہ

(۳) مقناطیس کی خاصیت ہی یہ ہے کہ لوہے کو کھینچتا ہے

(۴) دل　　(۵) تمام رکاوٹیں کمزور پڑجائیں گی

اصلاح بھی نہ ہوئی تو ایک اور بات تو ضرور پیدا ہوجاوے گی کہ اس معصیت کی مذمت[1] آپ کے قلب میں جمتی چلی جاوے گی اور اس سے نفرت پیدا ہوجاوے گی اور یہ خدمت و نفرت آپ کی اصلاح کردے گی۔ اور آخری بات یہ ہے کہ اگر اس طرح بھی اصلاح نہ ہوئی تو جرائم تو گھٹ گئے اگر ایک شخص پر چار جرم قائم ہوئے اور وکیل نے کہا کہ تین تو ٹل سکتے ہیں مگر ایک نہیں ٹل سکتا تو کیا کوئی یہ کہے گا کہ۔

چو آب از سر گذشت چہ یک نیزہ چہ یک دست

(جب پانی سر سے گذرے کیا ایک نیزہ کیا ایک ہاتھ)

ہرگز نہیں بلکہ تخفیف[2] ہی کو غنیمت سمجھیں گے۔ تو اسی طرح آپ بھی پچاس جرائم میں سے صرف دس ہی کے مجرم رہ گئے۔

بہت سے افعال کو ناجائز سمجھنے کیوجہ کم علمی ہے

اب وہ حصہ رہ گیا جسمیں تغیر کرنے سے معاش کا حرج ہے تو اول تو چونکہ آپ کو شریعت کے احکام نہیں معلوم ہیں اس وجہ سے بہت سے افعال ناجائز صادر ہوجاتے ہیں اگر آپ احکام کی تحقیق کیجیے گا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تھوڑے سے تغیر سے وہ ناجائز ہوجاوے گا۔ مسئلہ اگر آپ نے چاندی خریدی تو اس میں مسئلہ یہ ہے کہ چاندی کا مقابلہ اگر چاندی سے ہو تو زیادتی کمی حرام ہے۔ اب اگر کہے کہ صاحب اچھا مسئلہ سنا کہ نرخ کے حساب سے تو سو روپیہ کی چاندی ایک سو

---

(۱) اس گناہ کی برائی

(۲) کمی

بیس بھر آتی مگر اب سو روپیہ کی سو ہی روپیہ بھر ملی[1] اچھا عمل کیا کہ بیس روپیہ کا خسارہ ہوا۔ اب ساری عمر کے لیے مولویوں کو خیر باد کہدیں گے۔ تو سنیے بات یہ ہے کہ اگر مولوی صاحب سے یوں پوچھتے کہ مولوی جب چاندی میں زیادتی حرام ہے تو اب اگر اس پر اس خاص صورت میں عمل کریں تو بڑا نقصان ہوگا کیا کوئی جائز شکل بھی معاملہ کی ہے تو مولوی صاحب یوں کہتے کہ ان روپیوں میں ایک گنی[2] بھی ملا لو تو ایک سو بیس بھر چاندی جو آوے گی تو بچاسی روپیہ بھر تو بچاسی روپیہ کی آوے گی اور باقی کو اس گنی میں شریعت محسوب[3] کردے گی تم کو نیت کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ شریعت خود فیصلہ کر چکی ہے۔ تو اب بتلایئے کیا نقصان ہوا اب مشکل تو یہ ہے کہ علماء سے پوچھتے بھی نہیں صاحبو پوچھتے تو رہو اور میں یہ تو نہیں کہتا کہ سب کو مولوی صاحب جائز ہی کہدیں گے کیونکہ شریعت ان کے گھر کی تو ہے نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے جسے چاہے جائز کردے جیسا کہ ایک مطوف[4] سے ایک بڑھیا نے صفا مروہ کی سعی میں تھک کر کہا تھا کہ مولوی صاحب اب تو معاف کردو۔ اسی طرح بعضے لوگ یوں چاہتے ہیں کہ علماء ہند مثل بعض علماء مصر کے کرنے لگیں ان بعض علماء نے ایسا کر رکھا ہے کہ جو دنیا میں ہو رہا ہے سب جائز، تو یہاں کے لوگ بھی یہی کرانا چاہتے ہیں علماء سے جیسے ایک

---

(۱) یہ مسئلہ اس وقت تھا جبکہ روپیہ بھی چاندی کا تھا اور ایک روپیہ ایک تولہ کا تھا اس لیے سو روپے میں سو تولہ چاندی ہوتی تھی جبکہ چاندی سو روپے کی ایک سو بیس تولہ بکتی تھی شرعی طور پر جب سونے کو سونے کے عوض یا چاندی کو چاندی کے عوض بیچے خریدے تو برابر سرابر اور ہاتھ در ہاتھ ہے چاہے ایک نئی ایک پرانی ہو اس میں کمی زیادتی سود ہے

(۲) ایک سکہ ہے جو چاندی کا نہیں تھا اب ایک سو بیس تولہ چاندی صرف چاندی کے مقابلہ میں نہ رہی بلکہ گنی اور چاندی کے مقابل ہو گئی اس لیے جائز ہے

(۳) شمار کرلیگی

(۴) طواف کرانے والا

رئیس نے ایک نوکر سے یہ کام لیا تھا کہ جو ہماری زبان سے نکلے تم اس کی تصدیق کر کے توجیہ کردیا کرو چنانچہ ایک بار اس رئیس کے منہ سے نکلا کہ ہم شکار کو گئے ایک ہرن پر گولی چلائی وہ اس کے سم کو توڑ کر ماتھے کو پھوڑ کر نکل گئی سب اہل مجلس ہنسنے لگے کہ سم اور ماتھے کا کیا جوڑ نوکر بولا سچ ہے حضور وہ اس وقت سم سے پیشانی کھجلا رہا تھا۔ تو حضور علماء سے تو ایسی نوکری ہوتی نہیں نہ ہم اتنے ذہین ہیں اور نہ خدا کرے کہ ہوں۔ تو حاصل یہ کہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سب کو جائز کہہ دیں۔ مگر پوچھ کر دیکھو تو بہت سے اشکالات کا جواب مل جاوے گا۔ تو بہت بڑا حصہ اس عارضی دشواری کا اس طرح ختم ہوجاوے گا۔

اگر کسی کا ذریعہ معاش حرام ہو تو کیا کرے؟

ہاں بعض امور پھر بھی ایسے رہ جائیں گے کہ وہ بالکل ناجائز ہوں گے مگر اس میں بھی دو درجے ہیں ایک تو وہ کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ سکتے ہیں پس اس کو تو چھوڑ دیا جاوے کیونکہ اس کا چھوڑنا مضر حوائج ضروریہ نہیں[1] اور ایک درجہ وہ ہے کہ اس کو چھوڑ نہیں سکتے کیونکہ دوسرے کام اس کے حوائج ضروریہ[2] کو کافی نہیں تو بادل ناخواستہ[3] اس کو کرتے رہو اور گو یہ جائز تو نہ ہوں گے مگر اس کے متعلق ایک دستور العمل ایسا بتلاتا ہوں کہ اس سے ایسے جرائم خفیف ہوجاویں گے وہ یہ کہ اس میں دو برتاؤ کرنا چاہیئے ایک تو یہ کہ ہر روز توبہ کیا کرے۔ اب تو غضب یہ ہے کہ لوگ توبہ کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ کیا اس پر پچھتائے اور دعا کیجیے کہ اے اللہ مجھے معاف فرمائے مواخذہ نہ کیجیے تو یہ کیوں نہیں کرتے کیا ایسا کرنے سے نوکری سے موقوف[4] ہوجاؤ

---

(۱) ضروری حاجتوں کے لیے نقصان دہ نہیں
(۲) یعنی اگر کام چھوڑ کر دوسرا کام کرتا ہے تو اس کے ضروری فرض خرچے بھی پورے نہیں ہوتے
(۳) دل ناچاہتے ہوئے (۴) ہٹا دیے جاؤ گے

گے۔ ہر گز نہیں بلکہ تم تو کرہی رہو گے۔

دوسرے یہ دعا کیا کرو اے اللہ کوئی دوسری سبیل[1] میرے لیے نکال دیجیے تو اس میں یا تو کوئی سبیل نکلے گی اور جو کوئی دوسری سبیل نہ نکلی تو یہ شخص شرمندہ گنہگاروں کی فہرست میں تو لکھا جاوے گا۔ جری گنہگاروں[2] کی فہرست میں نہیں لکھا جاوے گا اور یہ توسع[3] آپ میری ہی زبان سے سنیں گے اور اس توسع میں راز شرعی یہ ہے کہ اگر چھوڑنے پر مجبور کیا جاوے تو شاید اس کو چھوڑ کر اس سے بھی زیادہ کسی گناہ شدید میں مبتلا ہوجائے مثلاً یہی کہ چلو آریہ بنیں[4] تو یہ توسع ایں بلا دفع بلاہائے بزرگ (یہ بلا بڑی بلاؤں کو دفع کرنے والی ہے) کا مصداق ہے تو میں کفر سے بچا رہا ہوں کیونکہ جب آدمی نادار[5] ہوتا ہے تو خدا جانے کیا کیا اس کو سوجھتا ہے، ہمارے حضرت حاجی صاحب تھانہ بھون میں رہتے تھے ایک پٹھان حضرت کی خدمت میں دعا کرانے آیا کرتے تھے کہ مجھ پر ایک شخص نے جائداد کے معاملہ میں بڑا ظلم کر رکھا ہے حضرت دعا فرمائیے ایک بار آکر کہنے لگے کہ اب تو اس نے حد ہی کردی اور جائداد غصب ہی کرنے کو ہے۔ حضرت نے فرمایا بھائی صبر کر اس نے کہا بہت اچھا دفعتاً حافظ محمد ضامن صاحب حجرہ میں سے نکل آئے اور اس پٹھان سے فرمایا ہر گز صبر مت کرنا جاؤ نالش کرو اور ہم دعا کریں گے اور حضرت سے فرمایا آپ تو صابر شاکر تھے سب چھوڑ کر بیٹھ رہے اس میں تو اتنی قوت نہیں یہ اگر اسباب معاش کو چھوڑ دے گا تو جب حاجت ستاوے گی یہ جھوٹی گواہی دے گا، چوری کرے گا تو ایسوں کو صبر نہیں کرایا کرتے تو یہ ہے اصل راز توسع کا تو آپ کسی سے اتنی گنجائش نہ سنیں گے مگر یہ اس لیے ظاہر کردیا گیا کہ یہ

---

(۱) دوسرا راستہ (۲) خود سر گناہگار (۳) گنجائش
(۴) اسی طرح قادیانی یا شیعہ وغیرہ نہیں (۵) مفلس

کفر سے بچانا ہے۔

گناہوں سے بچنے کی کوشش تو کرے

لیکن خدا کے لیے اس کو آپ تمام معاصی[1] میں آڑ نہ بنالیں کہ یہ جز تو بہت اچھا ہاتھ آیا۔ بات یہ ہے کہ اول تو یہ بہت تھوڑا حصہ ہے سب معاصی میں اس کا توڑ یہ نہیں ہوسکتا۔ دوسرے اس میں یہ قید بھی تو لگی ہوئی ہے کہ اس سے نکلنے کی ہر وقت فکر کرتے رہو جیسے کوئی پاخانہ میں بیٹھا ہو اور تقاضا نکلنے کا رہتا ہے۔

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک رئیس صاحب ریل میں بیٹھے ہوئے تھے اور کہیں جگہ نہ تھی مگر انھوں نے کئی آدمیوں کی جگہ گھیر رکھی تھی اور کوئی کچھ کہتا تو دھمکاتے آخر ضرورت سے پاخانہ میں گئے تو چٹخنی لگ گئی اور ان کے کھولے نہ کھلی بڑے پریشان لوگوں سے التجا کی سب نے انکار کردیا۔ آخر بڑی سماجت[2] کے بعد لوگوں نے دوسروں کو تنگ نہ کرنے کی قسم کھلائی یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ پاخانہ ہے اس میں قسم کھلانا جائز نہیں تو جس طرح وہ پاخانہ سے نکلنے کی کوشش کررہا تھا اسی طرح حرام نوکری میں ایسے ہی رہو کیا کوئی پاخانہ میں جاکر فخر کرتا ہے بلکہ قید سمجھتے ہیں مگر مجبوری میں کیا کریں بس اس کی یہ حالت ہوگی کہ۔

چونکہ برمیخت بہ بند و بستہ باش — چوں کشاید چابک و برجستہ باش

(جب وہ باندھ دیں بندھ جاؤ جب کھولدیں چابک اور برجستہ ہوجاؤ)

تو نکلنے کی فکر تو کرو کوشش تو کرو گو کچھ امید نہ بھی ہو، اسی کو فرماتے ہیں۔

---

(۱) سب گناہوں (۲) خوشامد

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید — خیرہ یوسف وار می باید دوید

(اگرچہ عالم میں کوئی رخنہ نظر نہیں آتا لیکن یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیئے)

یوسف علیہ السلام کا قصہ یہ ہوا کہ جب زلیخاں نے دروازہ بند اور مقفل کرلیا اور آپ نکلنے کے لیے دوڑے ہیں عجیب توکل اور ہمت تھی کہ باوجود قفل[1] لگے رہنے کے دوڑے اور آخر قفل ٹوٹ ٹوٹ کر سب دروازے کھل گئے اس کو فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید — خیرہ یوسف دار می باید دوید

(اگرچہ عالم میں کوئی رخنہ نظر نہیں آتا لیکن یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیئے)

اور اگر نہ بھی کھے گا تو حق تعالیٰ یہ تو دیکھیں گے کہ یہ دوڑا تھا مگر بھی لگ گئی اتنے پر بھی فضل ہوجاویگا اب بتلائے اس میں کونسی مشکل چیز ہے میں تو نوکری نہیں چھڑاتا مگر تفور[2] رہیں سو یہ کیا مشکل ہے اب تو یہ بھی نہیں بلکہ معصیت[3] پر ناز ہے بے باکی ہے سو یہ فخر کیسا اور تکبر کیسا اور اہل دین کو ذلیل کیوں کہا جاتا ہے سو اہل اسباب کا علماء کے ساتھ بڑا اختلاف معاش[4] کے باب میں تھا مگر اس سے زیادہ معاش کے متعلق کیا گنجائش ہوسکتی ہے تو اب کونسا مرتبہ اختلاف کا رہ گیا نرا[5] قانون تو دشوار ہے نہیں اور قانون سخت نہیں صرف بات یہ تھی کہ لوگوں کی طرف سے دشواری ہوجاتی ہے تو اس میں بہت بڑی فہرست اصلاح کی تو معاش میں مخل[6] ہی نہیں اور جو مخل ہے اس کا بڑا حصہ تدبیر سے جائز ہوسکتا ہے

---

(۱) تالہ (۲) بھاگنے کی کوشش میں ہیں (۳) گناہوں پر اتر آتے ہیں (۴) روزگار کے بارے میں
(۵) صرف (۶) رکاوٹ

اور جو تدبیر سے بھی جائز نہ ہوسکے وہ اولاً[1] بہت مختصر ثانیاً[2] اس میں اس طرح رہنے کی اجازت کہ اس سے نکلنے کی کوشش اور کیے پر پچھتاوا اور توبہ کرتے رہنا تو اب وہ کونسا جز ہے جس پر یہ اشکال ہے کہ شریعت کی پابندی بہت سخت ہے تو بحمداللہ بے غبار یہ ثابت ہوگیا کہ ماجعل علیکم فی الدین من حرج الخ (اس نے تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔

اہل اللہ کی صحبت ذریعہ ہے ہمت عمل کا

اس کے بعد ایک عملی مرحلہ دشواری کا اور رہ گیا مگر وہ بہت ہی معمولی ہے وہ یہ کہ تدبیرات مذکورہ کے لیے جو ہمت کی ضرورت ہے اور لوگ ہمت سے کام نہیں لیتے حتی کہ کم ہمتی کے سبب توبہ تک کا ارادہ نہیں کرتے یا کر کے توڑ دیتے ہیں۔

ع۔ بہ شب توبہ کردو سحر گہ شکست (رات کو توبہ کرلی صبح کو توڑ دی)

ایسے بہت سے لوگ ہیں تو اس کا صرف ایک علاج ہے وہ یہ کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے اور کچھ علاج نہیں اب چاہے آپ مجاہدہ کریں یا وظیفہ پڑھیں اس سے فائدہ مطلوبہ حاصل نہیں مگر مشائخ کے یہاں آجکل وظیفہ بہت سستا ہے نماز کی پابندی کے لیے ایک وظیفہ پھر اس وظیفہ کے دوام[3] کے لیے ایک اور وظیفہ مگر بالکل بے جوڑ علاج بھلا وظیفوں کو ترک گناہ[4] میں کیا دخل ہر چیز کا علاج الگ ہے وظیفہ صرف ذریعہ ہے غلبہ ذکر علی القلب[5] کے لیے بشرطیکہ دنیا کے لیئے نہ ہو

---

(۱) پہلی بات تو یہ کہ بہت مختصر ہے

(۲) دوسری بات یہ کہ

(۳) مستقل کرنے کے لیے

(۴) گناہ چھوڑنے

(۵) دل کثرت سے ذکر کرنے لگے

باقی اگر ایک شخص کو عادت ہے لڑکوں کو دیکھنے کی تو یہ روزہ یا وظیفہ سے نہیں جاتی اگرچہ روزہ میں کمی شہوت کی ہوتی ہے مگر مجھ سے ایک ستر برس کے بوڑھے نے جو ایک اسلامی ریاست میں کلکٹر تھے شکایت امرد پرستی کی کی اور روتے تھے بھلا ستر برس کے بوڑھے میں کیا شہوت ہوتی تو وظیفہ سے اس میں کیا ہوتا بس اس کا علاج یہی ہے کہ کسی اہل اللہ کے پاس چلا جاوے کہ۔

گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی ۔۔۔ چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

(اگر تو سخت پتھر اور سنگ مرمر ہو جب صاحب دل کے پاس پہنچے گوہر ہو جائیگا)

نفس نتواں کشت الاظل پیری ۔۔۔ دامن آن نفس کش راسخت گیر

(نفس بلا پیر کی صحبت کے نہیں مرتا اس نفس مارنے والے دامن کو مضبوط پکڑو)

اہل اللہ کی خدمت میں رہنے کے آداب

غرض اس کا علاج اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ کسی اہل اللہ کے پاس رہے مگر اس کے پاس رہنے کے کچھ آداب بھی ہیں وہ یہ کہ اس طرح سے رہے کہ۔

قال را بگذار مرد حال شو ۔۔۔ پیش مرد کاملے پامال شو

(قال [1] کو چھوڑو حال پیدا کرو یہ اس وقت پیدا ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ)

نیز اس کے ساتھ رہنے میں یہ ضرور ہے کہ جو کہے وہ کرو۔ اور اطمینان رکھو کہ وہ کہیگا ایسا کہ جو آسان ہو مگر نیت یہی رکھو کہ اگر سخت بھی کہیگا تو ہرگز خلاف نہ کریں گے نیز اس کے زجر [2] سے برا نہ مانو کیونکہ بعض امراض کا علاج یہی ہے۔ ایک صاحب نے میرے پاس ایک دفتر سوالات کا بھیجا میں نے لکھا کہ یہاں آؤ

---

(۱) بیکار سوالات ۔۔۔ (۲) ڈانٹ

اور سمجھ لو۔ انہوں نے لکھا کہ آؤنگا مگر دو شرط سے ایک یہ کہ گفتگو کے وقت چلانا نہیں۔ دوسرے یہ کہ تمہارے گھر کا کھانا نہ کھاؤں گا۔ میں نے لکھ دیا کہ آؤ دونوں شرطیں منظور ہیں آئے ملے میں نے کہا صاحب ایک شرط سے رجوع کرتا ہوں یعنی یہ کہ چلانا نہیں میں ضرور چلاؤں گا کیونکہ بعض مرض کا علاج چلانا ہی ہے اور اس میں بڑی برکت ہے اور اگر کہے کہ دھوکہ دیکر بلایا تو اگر منظور نہیں آمد ورفت کا کرایہ لیجیے اور جایئے آخر سیدھے ہوگئے میں نے کہا کھانے کی نسبت کیا رائے ہے کہنے لگے وہی پہلی شرط ہے میں نے کہا بہتر پھر میں اٹھکر گھر چلا تو پیچھے سے انہوں نے ایک لڑکا بھیجا کہ میں نے اس شرط کو بھی چھوڑ دیا کھانا بھی کھاؤں گا پھر ان سے گفتگو کی اور تسلی ہوگئی اور میں نے ان کو نصیحت بھی کی کہ مختلف کتابیں نہ دیکھو۔ زیادہ خرابی اسی سے ہوئی ہے۔ غرض یہ ضرور ہے کہ اگر وہ ڈانٹیں تو برا نہ مانو۔

در بہ ہر زخمے تو پر کینہ شوی　　　پس کجا صیقل چو آئینہ شوی

(اگر ہر زخم یعنی مصلح کی ہر تنبیہ پر پر کینہ یعنی ناک بھوں چڑھاؤ تو کس طرح قلب مثل آئینہ کے صاف ہوسکتا ہے)

اصلاح باطنی کے لیے اہل اللہ کی ڈانٹ برداشت کرے

مولانا نے ایک حکایت بڑی عجیب لکھی ہے کہ ایک قزوینی کسی کے پاس گیا کہ میری کمر پر شیر کی تصویر گود دے وہ گودنے بیٹھا ایک جگہ سوئی چبھوئی چلایا کہ یہ کیا کرتا ہے اس نے کہا تیری فرمائش پوری کرتا ہوں۔ کہنے لگا کہاں سے شروع کیا ہے بولا دم سے کہنے لگا شیر بے دم سہی اس نے دوسری جگہ سوئی رکھی پھر چلایا

کہ اب کیا بناتا ہے اس نے کہا شکم[1] بولا شکم[2] کیا ہوگا اس نے تیسری جگہ سوئی لگائی پھر چلایا کہ یہ کیا ہے بولا کہ کان کہنے لگا کہ کان بھی نہ سہی وہ گودنے والا بڑا پریشان ہوا سوئی پھینک دی اور کہا۔

شیر بے گوش و سر و اشکم کہ دید　　　　این چنیں شیرے خدا ہم نافرید

(شیر بغیر کان و سر اور پیٹ کا کس نے دیکھا ہے ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا)

یعنی خدا نے بھی تو ایسا شیر پیدا نہیں کیا اس پر مولانا فرماتے ہیں۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن　　　　پس تو از شیر ژیاں دم کم بزن

(جب سوئی چبھنے کی تم میں طاقت نہیں ہے تو شیر ہونے کا دعویٰ نہ کرو)

اور اسی مقام پر فرماتے ہیں۔

در بر زخمے تو پر کینہ شوی　　　　پس کجا صیقل چو آئینہ شوی

(اگر ہر زخم پر تم پر کینہ ہو یعنی مرشد کی تنبیہ پر ناک بھوں چڑھاؤ تو کس طرح قلب مثل آئینہ کے صاف ہوسکتا ہے)

آخر نوکری کی خوشامد میں حکام کی ڈانٹ سہتے ہو اگر اصلاح باطن کے لیے شیخ کا زجر[3] سہ لیا تو کیا بڑی بات ہے تو ان کے پاس رہنے سے اعمال صالحہ کا عزم قوی[4] ہوجاتا ہے اور بری چیزوں سے نفرت ہوجاتی ہے اور پھر بڑے بڑے کام آسان ہوجاتے ہیں اور یہی مراد ہے ہمت سے اور راز اس کا یہ ہے کہ ان کے پاس رہنے سے یہ شخص صاحب محبت ہوجاتا ہے اور محبت کی خاصیت ہے کہ۔

---

(۱) پیٹ　　(۲) پیٹ کی کیا ضرورت ہے
(۳) ڈانٹ　　(۴) نیک کام کرنے کا ارادہ پختہ ہوجاتا ہے

ع - از محبت تلخہا شیریں شود (محبت میں سختیاں بھی گوارا ہوتی ہیں)

گناہ اگر ذریعہ بن جائے عبادت کا تب بھی گناہ ہی ہے

محبت وہ چیز ہے کہ میں نے ایک نوجوان کو اسی سفر میں دیکھا کہ وہ کسی رنڈی پر عاشق ہو گیا۔ کہتا تھا کہ راتوں کا جاگنا اور نماز کو جانا سہل ہو گیا اور پہلے فرض نماز کے لیے اٹھنا بھی دشوار تھا۔ مگر میں نے کہدیا کہ یہ نفع عارضی ہے اور چونکہ نفع سے زیادہ اس میں مفاسد[1] ہیں تو یہ ایسا ہے کہ **قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس**[2] (ان دونوں کے استعمال میں بڑے گناہ ہیں اگرچہ لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں) اس پر ایک اور واقعہ یاد آیا کہ میں ایک بار کاندھلہ گیا نماز عشاء کے بعد سونے کے متعلق یہ تجویز ٹھیری کہ مسجد کی سمت شمال کی طرف ایک سہ دری تھی وہاں سوئیں گے اتنے میں محلہ میں سے ایک رقاصہ کی آواز گانے کی آئی میں نے کہا اب یہاں نہیں رہوں گا کسی مردانے مکان میں سونے کا انتظام کیا جاوے میرے ساتھ ایک صوفی آزاد تھے وہ وہاں ہی رہے اور صبح کو کہنے لگے کہ اس کی آواز سے آج نماز میں خوب یکسوئی ہوئی خطرات بالکل نہیں آئے میں نے کہا کہ خیال کا نہ آنا کافی نہیں بلکہ دوسری طرف کا خیال آنا چاہیئے یعنی خدا کی طرف کا سو اس کی آواز اس سے بھی مانع[3] تھی تو یہ مفسدہ اس منفعت سے بدرجہا زیادہ[4] ہے مجھے اس پر ایک حکایت یاد آئی ایک ترک کی کہ اس کی مجلس میں مطرب[5] نے اس قسم کی غزل گائی۔

نگے یا سوئے یا سرو یا ماہی نمیدانم   ازیں آشفتہ بیدل چہ میخواہی نمیدانم

---

(۱) نفع سے زیادہ نقصانات ہیں   (۲) البقرہ آیت ۲۱۹   (۳) روکنے والی
(۴) یہ نقصان اس فائدے سے بہت زیادہ ہے   (۵) گویے

(پھول ہے تو یا سوسن ہے یا سرو یا چاند ہے اس عاشق شفتہ سے تو کیا چاہتا ہے

میں نہیں جانتا ہوں)

اور اسی طرح نمیدانم[1] کا سلسلہ دیر تک چلتا رہا اس ترک کو غصہ آیا اس نے ایک گھونسہ دیا اور کہا کہ کمبخت کب تک نمیدانم نمیدانم بکے گا جو جانتا ہے وہ کہہ۔ تو مولانا اس مقام پر فرماتے ہیں کہ مقصود اثبات[2] ہے نفی نہیں تو اس نفی خطرات سے چونکہ مفسدہ پیدا ہوا کہ اثبات اس مردار کا ہوا نہ کہ خدا[3] کا اس لیے یہ نفی مقصود نہیں خدا کا اثبات مطلوب ہے جو کہ یہاں مقصود ہے تو جو حکایت اوپر بیان کی گئی کہ وہ عاشق ہوگئے اور نماز میں جانے لگے تو یہ کچھ بھی نہیں معصیت[4] اگر ذریعہ بن جاوے عبادت کا تب بھی وہ معصیت ہی رہے گی چنانچہ اگر کوئی مسجد کے قرب میں ناچ کرانے لگے کہ اس بہانہ سے لوگ جمع ہوجاویں گے پھر ان کو مسجد میں لے چلیں گے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا مقصود یہ ہے کہ جس کو صبح کو بھی اٹھنا مشکل تھا اب وہ عشق کی بدولت رات کو جاگتا ہے تو۔

عشق مولے کے کم از لیلے بود   گوئے گشتن بہر او اولے بود

(خدا کا عشق کیا لیلیٰ سے بھی کم ہوا اس کے لیے تو کوچہ گردی کرنا زیادہ بہتر ہے)

اور سنو۔

ترا عشق ہم چوں خودی ز آب و گل   رباید ہمہ صبر و آرام دل

اور یہ حالت ہوتی ہے۔

چو در چشم شاہد نیاید زرت   زر و خاک یکساں نماید برت

---

(۱) میں نہیں جانتا میں نہیں جانتا   (۲) دل میں جمتا ہے دل سے نکلتا نہیں

(۳) اس عورت کی آواز کیوجہ سے وساوس تو بیشک نہیں آئے لیکن بجائے خدا کے اسکا خیال دل میں رہا اس لیے وساوس کی ایسی نفی مقصود نہیں بلکہ نفی ایسی ہو جس میں اللہ کا اثبات ہو   (۴) گناہ

(جب محبوب کی نظر میں تیر از رومال نہیں آتا تو تیرے نزدیک مال وزر و خاک یکساں ہیں)

تو اس حالت پر نظر کرتے ہوئے۔

عجب داری از سالکان طریق　　　　که باشند در بحر معنیٰ غریق

(تو سالکین طریق سے تعجب کرتا ہے جو کہ معنیٰ اور حقیقت کے دریا میں غرق ہیں)

غرض محبت کا یہ خاصہ ہے اور اہل اللہ کے پاس بیٹھ کر خدا کی محبت پیدا ہوجاتی ہے اس لیے ہمت پیدا ہوجاتی ہے پس یہ تدبیر ہے ہمت کی اور ظاہر ہے کہ اس میں کچھ دشواری نہیں تو اب سارے مرحلے طے ہوگئے اور یہ صحبت اگر کسی سے متصل[1] نہ ہوسکے تو مختلف زمانوں میں سہی یعنی جب کسی کو جتنا موقع اس کا ملے دریغ[2] نہ کرے حق تعالیٰ مدد فرماویں گے۔

مصاحبت کی شکلیں

اور مصاحبت[3] کی دو صورتیں ہیں ایک تو زندوں کے پاس بیٹھنا اور ایک قبروں پر یہ بھی بزرگوں کا طرز[4] ہے اور ہر چند کہ اس کے بیان کی ضرورت نہ تھی مگر اب لوگوں نے اس میں غلطی کی ہے انہوں نے قبروں ہی کو سب کچھ سمجھ لیا دولت باطنی کا بھی اور ظاہری کا بھی مدار قبروں ہی پر سمجھ لیا ہے اور سب زندوں کو چھوڑ دیا اس لیے اس تقسیم کی تصریح کی تاکہ زندوں سے استغناء[5] نہ ہوجاوے بلکہ اصل تو یہی ہے بلکہ اہل قبور سے مستفید[6] ہونے کی شرط خود زندوں سے مستفید ہونا ہے اور ان کے مقابل بعضے وہ لوگ ہیں جو اولیاء ہی کے منکر ہیں اور بعضے فیوض قبور ہی کے منکر ہیں۔

---

(۱) یعنی مسلسل اگر کسی بزرگ کے پاس نہ رہ سکے تو مختلف زمانوں میں رہے　(۲) کوتاہی
(۳) صحبت اختیار کرنے کی دو شکلیں ہیں　(۴) طریقہ　(۵) لاپرواہی　(۶) فائدہ حاصل کرنا

اہل اللہ کی قبروں سے فیض حاصل ہوتا ہے لیکن ہر ایک کو نہیں

میں نے ایک رسالہ دیکھا ہے ایک اہل ظاہر کا کہ اس نے استفادہ عن اہل القبور (اہل قبور سے استفادہ کی) کی نفی پر اس سے استدلال کیا ہے لاتجلسوا علی القبور (قبروں پر مت بیٹھو) تو جلوس[1] سے مراد جلوس الاستفادہ[2] لیا ہے حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں میں نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں میں نے حدیث سے ثابت کردیا ہے کہ اہل قبور سے فیض ہوتا ہے اور ہمارے بعض بیانوں سے شبہ ہوجاتا ہے کہ یہ بزرگوں کے قائل نہیں کیا کہا جاوے یہ محض تہمت ہے آپ چاہتے ہیں کہ خدا اور رسول ﷺ کو چھوڑ کر بزرگوں کے بندے ہوجاویں سو یہ تو ہوگا نہیں۔ صاحبو میں تو آپ کو خود بزرگ بنانا چاہتا ہوں تو دیکھو بزرگ کاہے سے ہوئے ہیں صرف اطاعت سے نہیں اس کی تعلیم کر رہا ہوں ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ملفوظات[3] کے یاد کرنے سے چنداں نفع نہیں تم خود ایسے ہی کیوں نہ ہوجاؤ کہ تم سے ویسے ہی ملفوظات صادر ہونے لگیں۔ تو اس رسالہ سے ہم لوگوں پر سے یہ شبہ بھی بزرگوں کے انکار کا رفع وزائل[4] ہوجاوے گا اور بحمد اللہ وہ کتاب ایسی مقبول ہوئی کہ ایک غیر مقلد نے مطبع میں وہ کتاب دیکھ کر ناظم مطبع سے کہا کہ مصنف کو لکھ دو کہ اس میں اختصار نہ کرے اور ایک شخص میرے پاس آئے جو کہ بیعت کے منکر تھے وہ اس کو دیکھ کر خود بیعت ہوگئے اس میں ساڑھے تین سو حدیثیں ہیں اور ہر حدیث سے کم سے کم ایک مسئلہ تو

---

(۱) بیٹھنے (۲) افادہ حاصل کرنے کے لیے بیٹھنا ہوا ہے (۳) بزرگوں کے اقوال

(۴) ہٹ جائیگا اور دور ہوجائیگا

ضروری ثابت ہے اور بعض سے کنی کنی اس کتاب کا نام ہے تکشف اس کا منگانا ضروری ہے اور ایک رسالہ میر القاسم میں نکلتا ہے اصلاح انقلاب اس سے ظاہری اعمال کی اصلاح ہوگی وہ بھی ضروری ہے۔ غرض اس کتاب تکشف میں یہ ثابت کیا ہے کہ قبروں سے فیض ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ اگر کوئی پوچھے کہ حلوا کھانا جائز ہے یا نہیں تو ایک تو قانونی جواب ہے کہ جائز ہے اور ایک شفیق کا جواب ہے کہ مریض کو جائز نہ کہے اسی کو شیخ کہتے ہیں۔

سماع اے برادر بگویم کہ چیست　　مگر مستمع را بدانم کہ کیست

(برادر سمع سننا میں بتلاؤں کیسا ہے مگر سمع سننے والے کو جان لوں کہ کون ہے)

اگر مرد لہوست و بازی دلاغ　　قومی توشود دیوش اندر دماغ

(اگر مرد راہی اور لہو لعب و بازی میں مبتلا ہے تو اس کی شیطانیت دماغ میں اور قوی ہوجاتی ہے)

اگر از برج معنی بود طیر او　　فرشتہ فروماند از سیر او

(اگر برج حقیقت سے ہے اس کی پرواز تو فرشتہ بھی اس کی سیر سے عاجز ہے)

چنانچہ ضلع بارہ بنکی کی حکایت ہے کہ ایک شخص کہتے تھے کہ ایک شخص نے عورت سے سماع سنا اور مجلس ہی میں سے اس کو ایک کوٹھری میں لیجا کر منہ کالا کیا۔ اور باہر آکر اپنی اس حرکت کی توجیہ کی کہ جب آگیا جوش نہ رہا ہوش یہ دونوں لفظ چھوٹے سین سے فرمائے اور شیخ اس تفصیل کے بعد صاحب حال پر اعتراض کرنے والوں کو دفع کرتے ہیں۔

مکن عیب درویش حیران و مست　　کہ غرق ست از آن میزند پا و دست

(بزرگوں کی ظاہری برائی دیکھ کر حیران نہ ہو خدا کی محبت میں غرق ہونے کی وجہ سے ہاتھ پیر مارتے ہیں)

یعنی اس پر اعتراض نہ کرو ایسی ہی تفصیل حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں۔

زندہ دلاں مردہ تناں را رواست　　　مردہ دلاں زندہ تناں را خطاست

(زندہ دل مردہ تنوں کے لیے روا ہے مردہ دل زندہ تنوں کے لیے گناہ ہے)

تو غرض محققین کی عادت ہے کہ وہ ایک ہی فتویٰ سب کو نہیں دیتے اس لیے طبیب سے جب حلوا کھانے کی نسبت پوچھا جاوے تو اس کو پوچھنا چاہیے کہ حلوا کون کھائیگا اگر معلوم ہو کہ مریض کھاویگا ناجائز کہدے اگر معلوم ہو کہ تندرست کھاویگا جائز کہدے یہ ممانعت مریض کی سن کر اگر کوئی کہے کہ یہ تو حلوہ کے منکر ہیں کو کیسی بیوقوفی ہے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے ایک نو عمر مولوی نے پوچھا کہ قبروں سے فیض حاصل ہوتا ہے یا نہیں مولانا نے فرمایا کہ کون فیض لینا چاہتا ہے انہوں نے کہا کہ میں مولانا نے فرمایا کہ نہیں ہوتا تو یہ ہے محققین کی شان غرض فیض تو شرائط خاصہ سے ہوتا ہے۔

صاحب قبر کو کارفرما سمجھنا شرک ہے

لیکن ان کو کارفرما[1] سمجھنا یہ تو صریح شرک ہے رام پور کی ایک حکایت سنی ہے مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی کی کہ ایک پٹھان ملنے آئے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ خانصاحب کیسے فرصت ہو گئی آج کل تو آپ کو دیہات میں بہت انتظام کرنا ہوگا۔ تو خانصاحب بولے کہ انتظام تو بڑے پیر صاحب کے سپرد کر آیا ہوں مولوی صاحب نے فرمایا آہا ہم تو ان کو ولی سمجھتے تھے مگر معلوم ہوا کہ پدھان ہیں۔ خانصاحب کو بہت ناگوار ہوا کہ انہوں نے بے ادبی کی مگر واقع میں بے ادبی تو خود انہوں نے کی تو بعضے آدمی سب کام اولیاء اللہ کے سپرد کرتے

---

(۱) یعنی مردوں کو کام کر دینے والا

ہیں- میں نے مکہ مکرمہ میں دیکھا کہ ایک شاہ صاحب نے آکر حضرت کے بھتیجے حافظ احمد حسین صاحب کو کچھ روپیہ امانت کا سپرد کیا حافظ صاحب نے کہا اللہ کی سپردگی میں رکھ جاؤ تو آپ کیا کہتے ہیں کہ اللہ کے سپرد کرنا چاہیئے نہیں اور اس پر ایک مہمل حکایت بانکدی[1] کہ کسی شخص کی ایک دوکان تھی وہ جب جاتا دوکان حضرت غوث اعظمؒ کے سپرد کر کے جاتا اس کا ایک بھائی تھا وہ ہمیشہ دل میں اس پر نکیر کرتا ایک بار یہ بھائی دوکان پر تھا یہ جب جانے لگا تو خدا تعالیٰ کے سپرد کر گیا- اسی دن چوری ہو گئی- دوسرے بھائی کو خبر ہوئی کہنے لگا تو نے نادانی کی اللہ میاں کے سپرد کی اللہ میاں کا تو کام یہی ہے کہ اس سے لیا اس کو دیدیا اور حضرت غوث اعظمؒ تو محکوم ہیں یہ خلاف امانت کر نہیں سکتے- یہ حکایت ان شاہ صاحب نے حافظ احمد حسین صاحب کے سامنے بیان کی وہ بہت جھلائے کہ کوئی بڑا مردود ہوگا-

اعمال ظاہرہ وباطنہ میں اہل سنت کا مسلک

اب مشکل ہم لوگوں کی ہے کہ ہم نہ وہابی نہ بدعتی ہمارا مشرب یہ ہے کہ اعمال ظاہرہ میں فقہاء کی تقلید کرتے ہیں اور اعمال باطنہ میں صوفیہ کی اور اعمال ظاہرہ میں صوفیہ کی تقلید نہیں کرتے مثلاً سماع وغیرہ کہ ان کو باطن میں کچھ دخل نہیں خواہ یہ جائز و ناجائز دونوں سے مرکب تو اس میں تو ہم فقہاء کے مقلد ہیں اور جو اعمال باطنہ ہیں اس میں ہم صوفیہ کے مقلد[2] ہیں - مثلاً ذکر جہر کو فقہاء مکروہ کہتے ہیں اور صوفیہ جائز اور اس کو باطن میں دخل ہے تو اس میں ہم صوفیہ کے مقلد ہیں تو ہمارے بزرگوں کا مشرب حنفی صوفی ہے تو ایسے شخص کی کمبختی دونوں

---

(۱) جھوٹی منگھڑت حکایت بیان کی (۲) صوفیا کی تقلید کرتے ہیں

طرف سے آتی ہے۔ اب عرس میں شریک نہ ہوئے تو وہابی اور ذکر جہر کیا تو بدعتی ہونے کا اعتراض۔ اسی طرح فیض قبور میں نہ تو ہم ایسے قائل کہ سب کام وہی کرتے ہیں اور نہ اس کے قائل کہ اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں۔

اہل قبور سے کونسا فیض حاصل ہوتا ہے اور کس کو؟

ضرور ہوتا ہے مگر فیض دو ہیں ایک تعلیم کا اور ایک تقویت نسبت[1] کا تو تعلیم کا فیض تو قبور سے نہیں ہوتا یہ تو زندہ بزرگوں سے ہوتا ہے اس لیے کہا ہے کہ گربہ زندہ بہ از شیر مردہ (زندہ بلی مردہ شیر سے بہتر ہے) اور ایک درجہ ہے تقویت نسبت کا کہ کسی زندہ کی بدولت نسبت حاصل ہو گئی اب اس کو بڑھانا چاہتا ہے تو یہ قبور سے ہوجاتا ہے تو جو صاحب نسبت نہ ہو اس کو تو چاہیئے کہ زندہ پیروں سے لے قبور سے لینے کی کوشش کرنا اس کو بے کار۔

ایک موضع[2] ہے ضلع انبالہ میں "براس" وہاں مولانا رفیع الدین صاحب تشریف لے گئے وہاں کے متعلق بعض بزرگوں کو مکشوف[3] ہوا ہے کہ بعض انبیاء کی قبور ہیں تو مولانا رفیع الدین صاحب گردن جھکا کر بیٹھے تھے بعضے طالب علم بھی اسی طرح بیٹھے میں نے کہا کہ ادھر سے تو اندھے ہو ہی ادھر کی آنکھیں بھی کیوں بند کیں۔ تو زندہ بزرگوں کی خدمت میں رہ کر جب وہاں سے قابلیت دیکھ کر اجازت ہو تو اس وقت اس غرض سے قبور پر جائیں اور غیر صاحب نسبت تو فاتحہ پڑھ آوے کیونکہ یہ بھی ثواب ہے کہ کھڑا ہو کر فاتحہ پڑھ کر چلا آوے۔ اور جو صاحب نسبت ہے اس کا دوسرا حال ہے تو جس مرتبہ کا کوئی شخص ہو جو اس

---

(۱) نسبت یعنی تعلق مع اللہ کے قوی ہونے کا (۲) جگہ (۳) کشف ہوا

کو مناسب ہو اس کا التزام رکھے۔ یہ کلام تھا صحبت اموات [1] میں باقی اصل طریق [2] صحبت ہے احیاء کی اسی سے علم صحیح حاصل ہوتا ہے اسی سے ہمت میں قوت ہوتی ہے جو شرط اعظم ہے سہولت اعمال کی جس کا راز وہی ہے جو عرض کیا گیا کہ اس صحبت سے محبت بڑھتی ہے اور محبت سے سہولت ہوتی ہے۔

الحمدللہ ماجعل علیکم فی الدین من حرج (اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں تنگی نہیں کی) پر ہر پہلو سے کلام کافی ہو گیا اب ختم کرتا ہوں (دعا کیجیے کہ علم و عمل و توفیق ہو (پھر دعا کے بعد جلسہ ختم کیا گیا)

---

(۱) مردوں کی صحبت اختیار کرنا

(۲) اصل میں سلوک کا راستہ طے ہونا زندوں کی صحبت سے